حالِ سفر

از فرش تا عرش

فقیر پروفیسر باغ حسین کمال

سلسلہ اویسیہ کمالیہ

دارالکمال، کمال آباد، پنڈی روڈ، پنوال، چکوال

www.darulkamal.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

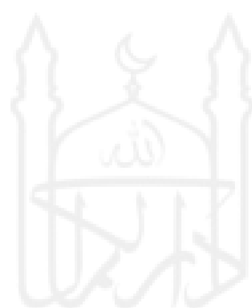
رَبِّ اشۡرَحۡ لِیۡ صَدۡرِیۡ

وَیَسِّرۡ لِیۡۤ اَمۡرِیۡ

وَاحۡلُلۡ عُقۡدَۃً مِّنۡ لِّسَانِیۡ

یَفۡقَہُوۡا قَوۡلِیۡ







بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حالِ سفر

از فرش تا عرش

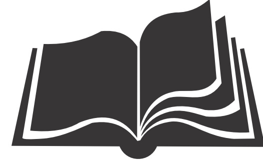
فقیر پروفیسر باغ حسین کمال

سلسلہ اویسیہ کمالیہ



دارالکمال، کمال آباد، پنڈی روڈ، پنوال، چکوال

www.darulkamal.com



کمال پبلی کیشنز کی کمال کتابیں

اہتمامِ اشاعت

صاحبزادہ فقیر تابش کمال

کتاب	:	حالِ سفر
مصنف	:	فقیر پروفیسر باغ حسین کمالؒ
پہلا ایڈیشن	:	مئی 1987ء (رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ)
بائیسواں ایڈیشن	:	ستمبر 2021ء (صفر ۱۴۴۳ھ)
تعداد	:	ایک ہزار
ہدیہ	:	تین سَو روپے
ناشر	:	صاحبزادہ نہال بخت کمال
رابطہ	:	دارالکمال، کمال آباد پنڈی روڈ، چکوال۔ موبائل: 0300-5144878



www.darulkamal.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یا اللہ جل جلالہ یا کبیر

یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا بشیر

من کمالم من فقیر

زندگی آپ کی عنایت ہے!

ورنہ ہم لوگ مر گئے ہوتے

دارالکمال، کمال آباد، پنڈی روڈ، پنوال، چکوال

www.darulkamal.com

حالِ سفر

(مظفر وارثی)

نصابِ علمِ تصوّف ہے تیرا حالِ سفر
سفر کمال کا ہے یہ کہ ہے کمالِ سفر

کہاں کہاں ترے پائے مراقبہ پہنچے
شکار تو نے کیے کس قدر غزالِ سفر

جو دیکھ آئی نظر تیری فرش سے تا عرش
نصیب کم ہوا کرتا ہے وہ جمالِ سفر

مِرے حضورؐ کے قدموں میں بیٹھنے والے
حقیقتوں سے بھرا ہے ترا خیالِ سفر

مسافتوں کو کیا طے قدم اٹھائے بغیر
ترا قیام بھی دراصل ہے مثالِ سفر

بنا لیا ہے گھر اپنا بہشت میں تو نے
ہر اِک مآل سے اچھا رہا مآلِ سفر

تو اپنی روشنیوں کے حسیں حصار میں ہے
ترے قدم کی ہر اِک چاپ ہے ہلالِ سفر

حضرت پروفیسر باغ حسین کمالؒ

(تابش کمال)

داد سے ہیں مَاورا سو اُن کی بابَت کیا کہوں
آپؒ کو دیکھا ہمیشہ دُور اَز دُنیائے دُوں

وہ خدوخالِ تخیّل ایسے نُورانی کہ بس
وہ حقیقت آشنا ، خُوش باطِن و خُوش اَندرُوں

مَجمعٔ رُوحانیاں رہتا تھا اُن کے چار سُو
اُن کی آنکھوں سے خِرد پاتے تھے سب اہلِ جُنوں

یہ جو میرے پاس ہے سب آپؒ ہی کا فیض ہے
آپؒ ہیں شیخِ طَرِیقت اور میں ہوں اُن کا خُوں

ظَاہر و بَاطن ہے میرا آپؒ کی ذاتِ شَرِیف
عِشق کی رُوداد میں اِس کے سِوا اب کیا لِکھوں

جو بھی آیا اپنی جھولی خَیر سے بھَر کر گیا
بانٹتے تھے قَلب کی وہ روشنی ، دِل کا سُکوں

آپؒ کے اوصافِ سادہ کس طرح تحریر ہوں
عارفِ وقت و شریکِ زمرۂ لا یحزنُوں

آئی تاریخِ وصالِ حضرتِ باغِ کمالؒ
"بحرِ فیضانِ وفا و محرمِ رازِ دَرُوں"

۲۰۰۰ء

کچھ حضرت جیؒ کے بارے میں

سلسلہ اویسیہ کمالیہ کے بانی حضرت فقیر پروفیسر باغ حسین کمآل المعروف حضرت جیؒ پاکستان کے مردم خیز خطہ دھن دھرتی (ضلع چکوال) کے ایک معروف موضع پنوال میں پیدا ہوئے۔ عہدِ اکبری میں، آپؒ کا علمی، اَدبی، رُوحانی اور دینی متاع سے آراستہ گھرانہ عبداللہ خان بھٹی (دُلہہ بھٹی) کی شہادت (26/مارچ 1589ء) کے بعد پنڈی بھٹیاں کی سرزمین کو خیرباد کہتے اور مختلف مقامات سے گزرتے ہوئے بالآخر 1630ء میں ارضِ پنوال میں فروکش ہوا اور تب سے یہ خاندان باوقار طریقے سے یہیں مقیم ہے۔ آپؒ کا اصل نام باغ حسین تھا، اَدبی سفر کے آغاز پر آپؒ نے کمآل تخلص کیا جو آپؒ ایسے باکمال صوفی کے نام کے ساتھ جُڑ کر اور بھی بامعنی اور خوش آہنگ لگتا ہے۔

حضرت جیؒ کی تاریخِ ولادت سکول ریکارڈ کے مطابق 24/جنوری 1937ء جبکہ ضلعی دفتر میں 31/مارچ 1937ء درج ہے، لیکن آپؒ کے اپنے ارشادِ مبارک اور خاندانی بزرگوں کی تصدیق کے مطابق درست تاریخِ پیدائش 22/مارچ 1937ء ہے۔ آپؒ کے والدِ ماجد قاضی حسن دینؒ ایک دِین دار اور متقی شخص تھے جبکہ آپؒ کے حسبی اور نسبی اسلاف، شیخ حافظ خان محمدؒ اور شیخ حافظ حاجی احمد ہیلانیؒ کے ناموں سے علاقہ دھن بخوبی واقف ہے۔ حضرت جیؒ نسبی اعتبار سے بھٹی راجپوت اور حسبی اعتبار سے کھوٹ قریش یعنی اعوان ہیں۔ ضلع چکوال میں آپؒ کا خاندان شروع ہی سے قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور آپؒ کی خاندانی شرافت و بزرگی کی داستانیں زبان زدِ عام ہیں۔

آپؒ نے 1955ء میں گورنمنٹ ہائی سکول چکوال سے میٹرک اور 1957ء میں گورنمنٹ کالج چکوال سے ایف۔اے کے امتحانات پاس کیے جبکہ پنجاب یونیورسٹی لاہور سے بطور پرائیویٹ طالبِ علم 1963ء میں بی۔اے، منشی فاضل، 1966ء میں ایم۔اے اردو، 1967ء میں بی۔ایڈ اور 1974ء میں ایم۔اے پنجابی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ آپؒ کا شاندار تعلیمی ریکارڈ آپؒ کی علم دوستی کا بیّن ثبوت ہے جبکہ میونسپلٹی کلرک سے سکول ٹیچر اور پھر پروفیسر کے عہدہ تک سفر آپؒ کی علم پروری، جہدِ مسلسل اور تسلسلِ خیر سے عبارت دکھائی دیتا ہے۔

ایک قلم کار کی حیثیت سے آپؒ نے دھنی تہذیب اور پنجابی ادب وثقافت پر نمایاں اثرات مرتّب کیے۔آپؒ کی صحافیانہ خدمات دس برس کے عرصہ بمطابق 1960ء تا 1970ء پر محیط ہیں۔اس عرصہ میں آپؒ نامہ نگاری، ادبی ڈائری اور مضامین کے ذریعے چکوال کی ادبی، ثقافتی اور تہذیبی نمائندگی فرماتے رہے۔علاوہ ازیں مجلسِ شاہ مرادؒ، بزمِ ادبیات چکوال، اردو مجلس چکوال اور ضلع تعلیمی مشاورتی کونسل میں ایک دانشور کے طور پر آپؒ کی ناقابلِ فراموش خدمات چکوال کی علمی وادبی تاریخ کا مستند حوالہ ہیں۔آپؒ نے ان مجلسوں میں ادب وثقافت کے فروغ کے سلسلہ میں رہنما کردار ادا کیا اور آئندہ نسلوں کے لیے قبلہ نما کی حیثیت اختیار کر گئے۔آج بھی چکوال کی ادبی وفکری فضا پر آپؒ کے دانشورانہ نقطۂ نظر کے اثرات صاف دیکھے جا سکتے ہیں۔آپؒ نے اُس وقت چکوال میں چراغِ سخن روشن کیا جب اس خطہ کی ادبی تاریخ پوری طرح اہلِ نظر کے سامنے نہیں تھی۔آپؒ نے اپنے دانشور احباب کی مدد سے چکوال کے اہلِ ادب کی قومی سطح پر شناخت کا فریضہ سرانجام دیا اور اس خطہ کی ذہنی کشادگی کی نشاندہی فرمائی۔

آپؒ نے حضرت شاہ مراد خانپوریؒ کا کلام بڑی عرق ریزی سے مرتّب کیا اور بہت نفاست کے ساتھ کتابی شکل میں شائع کرایا۔اس سلسلہ میں وہ اپنے ساتھی مرتّبین کا ذکر بڑی محبت سے کرتے تھے۔''لوک گاوَن'' اپنی تہذیب و ثقافت کے ساتھ اُن کی محبت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔آپؒ کی اُردو شاعری کا مجموعہ''حُسنِ طلب'' تین بار شائع ہو کر قارئین سے بھرپور داد پا چکا ہے جبکہ پنجابی شعری مجموعہ''سِکدیاں رُوحاں'' کی تین بار اشاعت اہلِ ادب میں آپؒ کی حقیقی مقبولیت کی آئینہ دار ہے۔(زرِ باغ (کلیاتِ شعر) اور متاعِ کمال (نثری تحریریں) آپؒ کے وصال کے بعد راقم نے مرتّب کیں جنہیں ہر سطح پر پذیرائی حاصل ہوئی۔)

یوں تو حضرت فقیر پروفیسر باغ حسین کمالؒ کی بہت سی جہات ہیں لیکن آپؒ کا خمیر دراصل تصوّف کی مطہّر مٹی سے اُٹھا تھا۔عبادت و ریاضت اور زُہد و تقویٰ آپؒ کے خون میں تھا۔سو یہی وہ حقیقی جادہ تھا جس پر آپؒ تا حیات گامزن رہے۔اہلِ صوف کے نزدیک کامل رہبر اور پاکباز مُرشد کے بغیر راہِ ولایت طے کرنا ممکن نہیں۔سو آپؒ نے 29/جولائی 1975ء کو حضرت مولانا اللہ یار خانؒ کے حلقۂ ذکر میں شمولیت اختیار کی اور معرفتِ الٰہی اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بدولت تیزی سے روحانی درجات طے کرنے لگے اور ایک سال سے بھی کم عرصہ میں آپ کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دستِ مبارک پر روحانی بیعت کا شرف حاصل ہوا۔روحانیت میں یہ مقام ہر کس و ناکس کو نصیب نہیں ہوتا۔1984ء میں حضرت اللہ یار خانؒ کے وصال کے بعد اویسی طریق پر آپؒ کی روحانی تربیت کا آغاز ہوا اور 8/اپریل 1984ء کو آپؒ منصبِ قطبِ وحدت پر فائز ہوئے۔یہی دن سلسلہ اویسیہ کمالیہ کی ابتدا کا دن ہے۔حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خصوصی روحانی توجہ کے باعث آپؒ کو عطا کردہ سلسلہ بہت تیزی سے اطراف و جوانب میں پھیلنے لگا۔8/فروری 1985ء کو اعلانِ خلافت کے حکم کے ساتھ ہی آپؒ مقامِ عبدیت کے عظیم منصب پر فائز کر دیے گئے۔اس منصب پر آج تک جتنے لوگ

متمکّن رہے ہیں ان کی تعداد انگلیوں پر شمار کی جا سکتی ہے۔ حضرت جیؒ کی متواتر لگن اور جذبِ اندروں کو مدِّنظر رکھتے ہوئے یہ بات قطعاً حیرت انگیز معلوم نہیں ہوتی کہ آپؒ نے انتہائی مختصر عرصہ میں روحانیت کے اعلیٰ ترین منصب تک رسائی حاصل کی اور "محبوبِ رسول ﷺ" جیسے منفرد اعزاز سے نوازے گئے۔ یہ عطا صرف عشقِ رسول ﷺ ہی کا کرشمہ ہے جو کثرتِ درود شریف کی صورت میں سامنے آیا۔ دربارِ نبوی ﷺ سے ارشاد کی گئی بشارت پوری ہوئی، وظیفۂ درود لحظہ بہ لحظہ طلوع ہو کر نصف النہار تک پہنچ گیا، سرکارِ اقدس ﷺ کا ذکرِ پاک اِس قدر بلند ہوا کہ قدسیوں نے حضرت جیؒ اور ان کے متوسّلین کی پاک زبانوں سے نکلے ہوئے درود شریف پر اَبدی رشک کا اظہار کیا۔ آپؒ کی ذاتِ گرامی اور ان کے متوسّلین سے زیادہ کسی نے بھی حضور ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں درود شریف کا نذرانہ پیش نہیں کیا۔ یہ اعزاز اُمتِ محمدیہ میں حضرت جیؒ کی ذاتِ بابرکات ہی سے رہتی دنیا تک مخصوص ہو کر رہ گیا ہے۔ آغازِ سفر سے رحلت تک آپؒ ہر لحظہ عرقِ درود شریف سے اپنے لبوں کو مشک بار کیے رہتے اور اپنے مریدین (جنہیں آپؒ ساتھی کہتے تھے) کو خصوصیت کے ساتھ وہی درودِ پاک پڑھنے کی تلقین فرماتے جو بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں سب سے زیادہ پسند کیا جاتا ہے۔ یہی آپؒ کی سرفرازی اور اَرفع مقام کی دلیل ہے۔ رسالت مآب ﷺ کے ذکرِ خیر پر آپؒ کا نورانی چہرہ اور بھی منوّر ہو جاتا اور برکات کی کرنیں طلب گاروں کو خیرِ کثیر عطا کرتیں۔

حضرت جیؒ نے اپنے روحانی سفر کی روداد "حالِ سفر" میں قلم بند کی ہے۔ یہ کتاب آپؒ کے اس باسعادت سفر کی داستان ہے جو عاشقانِ الٰہی اور خادمانِ رسالت مآب ﷺ کے دلوں کو مہمیز کرتی ہے کہ وہ اپنی اصل کی طرف رجوع کریں اور دنیاوی آسائش و آرام کے لیے عقبیٰ سے غفلت کے مرتکب نہ ہوں۔ اس درسِ ہدایت میں حضرت جیؒ نے وعظ و تبلیغ کی عام روش سے ہٹ کر بہت سہل زبان اور خوبصورت انداز میں قلوب کو منوّر کرنے کے

آداب تحریر فرمائے ہیں۔ آپؒ کے نزدیک عشقِ رسول ﷺ ہی وہ واحد راستہ ہے جو مومن کو بارگاہِ ایزدی تک لے جا کر سُرخرو کر سکتا ہے۔ ''حالِ سفر'' کی کثرتِ اشاعت اس بات کی دلیل ہے کہ آپؒ کے کلام کی فصاحت و بلاغت دلوں میں قیام کرتی ہے۔ آپؒ کی دلآویز نثر، شاعری سے بھی بڑھ کر دلنشیں ہے اور الفاظ کا روحانی آہنگ دلوں کو جھومنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ مقامِ عبدیت پر پہنچنے والی طبعِ فصیح البیان ہی اتنے کم صفحات میں اپنا مُدّعا بیان کر سکتی ہے۔

1990ء میں آپؒ نے جی۔ ٹی۔ روڈ، نزدِ چپ بورڈ فیکٹری، جہلم میں ایک روحانی تربیت گاہ قائم کی جسے ''دارالفیضان'' کے نام سے موسوم فرمایا۔ دارالفنا (دنیا) میں دارالفیضان کی موجودگی اہلِ عشق کے لیے اطمینانِ قلب کا ذریعہ ہے۔ سو ہزاروں تشنگانِ طریقت نے اس بحرِ فیوض سے اپنی پیاس بجھائی اور شاد کام ہوئے۔ دس برس تک آپؒ ''دارالفیضان'' جہلم میں ذکرِ الٰہی اور درودِ پاک کا درس دیتے رہے۔ آخر کار مسافر کو وطن کی یاد آئی اور آپؒ اپنے آباؤ اجداد کی سرزمین کی طرف مُلتفت ہوئے۔ چنانچہ آپؒ کی پنوال شریف میں تشریف آوری کے ساتھ ہی 19 / اکتوبر 2000ء کو ''دارالفیضان'' جہلم سے چکوال منتقل ہو گیا اور اہلِ عشق مَلکُوتی نُور کی طرف دوڑ پڑے۔

20 ویں صدی کا آخری سال آپؒ کی علالت کا زمانہ ہے۔ سالہا سال کی مسلسل روزہ داری کے سبب جسمِ اطہر میں پانی کی کمی واقع ہوئی اور نتیجتاً گُردوں نے کام کرنا چھوڑ دیا۔ گزشتہ صدی کا آخری سورج اسلام آباد کے انٹرنیشنل اسلامک میڈیکل کمپلیکس واقع G-7/4 میں آپؒ کے وصال کی خبر لے کر آیا۔ یہ اتوار کا دن تھا اور 31 / دسمبر 2000ء کی صبح۔ آپؒ نے وقت دریافت فرمایا اور پانی طلب کیا۔ دو گھونٹ پی کر ''اللہ اللہ اللہ'' کا وِرد کیا اور ٹھیک 9 بج کر 28 منٹ پر آنکھیں موند لیں۔ وقتِ رحلت آپؒ کی عمر شریف 63 برس

تھی۔ ایفائے عہد کی ایسی مثال بھی کم کم ہی دیکھنے میں آئی ہو گی۔ قطعۂ تاریخ عطا ہوا تو مادۂ تاریخ میں آپؒ کی مکمل تصویرِ حیات روشن ہوگئی۔

وہ شاعری ، بلند معانی ، زرِ کمال
جنت کی سمت نقل مکانی ، زرِ کمال

عُشّاق چشمِ نم سے ہی پہچانے جاتے ہیں
اہلِ ولا کی ایک نشانی زرِ کمال

تاریخ اُنؒ کے وصل کی تابشؔ عطا ہوئی
"عشق و درود و ذکر ، کہانی زرِ کمال"

۲۰۰۰ء

تدفین سے قبل دورانِ غسل آپؒ کے دائیں بازو سے فوّارے کی طرح پھُوٹنے والا مقدّس خون آپؒ کی شہادت کی گواہی دے رہا تھا۔ اکیسویں صدی کے پہلے دن کا زرد رُو آفتاب آپؒ کے جنازہ میں شرکت کے لیے طلُوع ہوا تو کچھ ہی دیر بعد بادلوں کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں بھی شوقِ دیدار میں اُمڈ آئیں ۔ سُورج نے چہرہ چھپا لیا۔ بارانِ رحمت کی بُوندیں حضرت جیؒ کے رُوئے درخشاں کو کچھ اور بھی تابندہ کر گئیں اور یکم جنوری 2001ء بروز سوموار (بمطابق 5/شوال 1421ھ) بوقت گیارہ بجے دن آپؒ کو پنوال شریف (چکوال) کی خُوش بخت خاک کے سُپرد کر دیا گیا۔

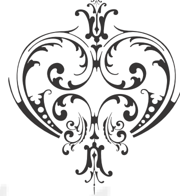
اِنّا لِلّٰہِ وَ اِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون o

صاحبزادہ فقیر تابش کمال

سربراہ و سجادہ نشیں سلسلہ اویسیہ کمالیہ

یکم جون، 2001ء





بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِنِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ
وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

شکرانہ

الف اللہ جل جلالہ دا باغ کمالا ! کنج کریئے شکرانہ
سارے عالم نال ملایئے نالے کُل زمانہ
سبھ سمندر نور سیاہی ، رُکھ بنایئے قلماں
کون مکان دی تختی اُتے لِکھیے حق سُبحانہ

م محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دے دربارے باغا ! نذر گزاراں
کون مکاں دیاں کٹھیاں کر کے ساریاں حُسن بہاراں
پڑھ درود ہر تھاں ہر ویلے وَن سوَن سوغاتاں
پھُل پتیاں تے لعل جواہر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دے اُتوں واراں

اللہ جل جلالہ

ہِکّا ذات اے ذات صفاتوں ہِکّا ہِک ہکلّا ...... اللہ

ہِکّا ذات اے جس وچ پاوے ہور نہ کوئی رلّا ...... اللہ

ہِکّا ذات اے جس دے ذکروں دل نوں ہوگ تسلّا ...... اللہ

ہِکّا ذات اے جس دے نُوروں ہر شے نُور تجلّٰی ...... اللہ

ہِکّا ذات اے جس دی نظروں دِسدا اے عرش معلّٰی ...... اللہ

ہِکّا ذات اے جس دے کرموں ہووے کم سوَلّا ...... اللہ

ہِکّا ذات اے جس دے فضلوں دونہیں جہانیں بھلّا ...... اللہ

ہِکّا ذات اے جس دی حُبّوں دل وِچ پئے تھرتھلّا ...... اللہ

ہِکّا ذات اے جس دا نیئیے پکّا پِیڈا پلّا ...... اللہ

باغ کمالا! جَپ ہر ویلے ، بن نہ اڑیا جھلّا ...... اللہ

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نوری کاغذ ، نور سیاہی ، نوری قلم بناواں
بسم اللہ بسم اللہ کر کے لِکھاں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نانواں

تیرے فرشوں بوہتی نیویاں عرشاں دی اُچیائیاں
کس پیمانے نال میں تیریاں شاناں ناپ وِکھاواں

توں نقطہ تے سبھ مخلوقاں تیرے گِرد ای دائرہ
دونہاں جہاناں دی تحریر دا توں ای ایں سِرناواں

سڑدیاں بلدیاں تھلاّں چ جیہڑے تڑفن لوک نمانے
اونہاں واسطے ای نیں تیریاں ٹھنڈیاں مٹھّیاں چھانواں

توں سائیاں کونین دا والی میں ہاں اِک سوالی
تیرے ہتھیں رحمت دولت ، میرے ہتھ دعاواں

تیری رحمت بن جاندی اے مینوں آس سہارا
انھ ہنیر گناہواں پاروں جد وی میں گھبرانواں

نام اللہ جل جلالہٗ دا نام محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہر ساہ دے وِچ جپناں
ہر ویلے ہر تھاں دے اُتّے انج میں یاد منانواں

ہیرے موتی ، لعل جواہر بولی دے وِچ لگے
اپنی اَٹی دا اَج یارو! میں وی مُل پوانواں

باغ کمالا! بس کرمت کوئی راز دی گَل کر جائیں
نُوری تاراں لشکن لگیاں ، جُھلیاں خوشبو واواں

نعت

اج دہاڑے مُکیا جگ توں رات دا انّھ ہنیرا
اج فاراں دی چوٹیوں ہویا خشیاں مکھ سویرا

یثرب دی مٹی بن جاوے میری اکھاں دا سُرمہ
اوگن ہارا میں وچارا تے ایڈ نصیبہ میرا ؟

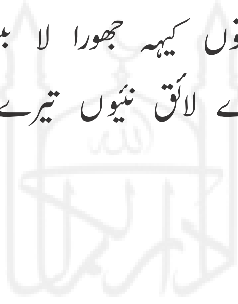
پَیراں دے چھالے پئے چوون دِیدے رَت پئے رَوون
اجے تے منزل دُور دراڈی اجے تے پندھ لمیرا

ہوٹھاں دی ٹہنی دے اُتّے سدھراں پھُل کملاون
دل دے سُکّے بُوٹے اُتّے ہووے مینہ گھنیرا

تھیّا تھیّا کر کے نچساں کدیں تے میں وی یارو
کدیں تے ٹٹ سی آل دوالیوں میرے غم دا گھیرا

میں کِس مونھوں ذات تیری دی مدح آکھ سناواں
میرا تھانواں بُہتا ای نیواں تیرا ناؤں اُچیرا

باغ کمالا! توں کیہہ جھورا لا بیٹھا ایں جھلیا
اس ہستی دے لائق نئیوں تیرے دل دا ڈیرا



نعت

نیابم ہیچ جائے من پناہے
"نگاہے یا رسول اللہ نگاہے"

ندارم ہیچ سرمایہ بجز ایں
خلش ، سوزش ، تپش ، اشکے و آہے

دلم لرزاں و ترساں ، دیدہ گریاں
شود بیدار احساسِ گناہے

بدیدارِ رُخِ روشن تمناست
زہے قسمت ! نمائی جلوہ ، گاہے

نسازی گر گلِ سرسبد غم نیست
بسازم سبد را صرفِ گیاہے

کمال ایں آرزو چہ سادہ تر است
بہ شب تسبیح ، دعائے صبح گاہے

عجب چہ گر بخشند حسن گفتار
کمال بے نوا را پادشاہے

حسین رضی اللہ عنہ

دل میرا اے غم سمندر ، اکھ اے اتھرو مالا
چیتے آیا اے اَج مینوں واقعہ کربل والا

سیس کٹاؤنا ، کنبہ کہاؤنا ، واہ واہ رِیت بنائی
لُٹ لُٹا کے دنیا تائیں دِتّا درس نرالا

شاہ دے لہو نال سجّی ریت چوں نور مشالاں بَلیاں
سچ دا متھّا لاٹاں مارے جھُوٹھ دا اے منہ کالا

کیہہ توفیق کراں جے تیری میں تعریف وچارا
میرا تھانواں بُہتا ای نیواں تیرا رتبہ بالا

رَکھ مثال حسینی ساہمنے سر دی بازی لائیے
حق سچ دا تاں جھنڈا چاہیئے باغ حسین کمالا!

کافی

نہ میں واہی ، نہ میں بیجی
دس ہُن کیہہ میں کپّاں

لوکاں بھانڈے بھرے بُھکنّے
مینڈیاں خالی لپّاں

ساریاں رُجھاں کُوڑ وپاڑا
انجے ای کٹّیاں گپّاں

اَکھر اَکھر سَپ اَٹھوہاں
سبھ کتاباں ٹھپّاں

اپنا آپ پچھانن والا
سِدّھا رستہ نپّاں

باغ کمالا! نام اللہ دا
دَم دَم دے وچ جپّاں

کافی

میں چمکاواں جُثّہ اپنا
دل وِچ گھور سیاہی

چونہاں پاسے چِکڑّ ، گندگی
میں وِچ منجی ڈاہی

بدی واہی ، بدی بیجی
بدی کپّی ، گاہی

چانن والا کاج نہ کِیتا
دل وِچ بھرلئی شاہی

چِنتا کریئے ہر دَم شالا
رُس نہ جاوے ماہی

جپ کمالا! نام اللہ دا
بَن عرشاں دا راہی

کافی

کُجھ ٹُر گئیاں کُجھ ٹُر ویسن
میںنڈی وی کل واری

پَچھّی میںنڈی خالم خالی
بنی مصیبت بھاری

قول قراراں والی گل چا
من چوں میں وساری

ربّا بُھل ہوئی میرے کولوں
کردی آں ہُن زاری

مرشد کامل جنہاں پھڑیا
ڈُبی بیڑی تاری

عرش معلّٰی باغ کمالا!
اوہناں اِک اُڈاری

کافی

سوہنا مینڈا ماہی نی اَڑیو
سوہنا مینڈا ماہی

اوہدے عشق دی پَے گئی جیویں
میرے گَل وِچ پھاہی

کھلی کھلوتی چھَڈ کے مینوں
ٹُر گیا کِدھر راہی

نَس نَس نَسّی ، لبھ لبھ تھکی
جنگل جُوہ سبھ گاہی

آہاں تے کُرلاٹاں جیویں
میری قسمت آہی

کافی

رو نی اڑیئے رو

دل دا دامن میلا ہویا
ہنجواں دے نال دھو

چونہاں پاسے نھیر منھیرا
لبھ نی کدھروں لو

رنگ برنگ محبتاں چھڈ کے
ہِکّو ہِک دی ہو

کافی

”عشقے دی سر کھاری چائی اے
در در دینی آں ہوکا“

عشق ہنیری اَج پئی جھُلدی
کل نہ آسی آ جھوکا

عشق دی بارش اَج پئی وَسدی
کل پے جاسی آ سوکا

عشق دے کھُوہ چوں توں وی بھر لے
پیار دا کوئی بوکا
وے لوکا

کافی

"ساجن دے ہتھ ڈور اساڈی
میں ساجن دی گُڈّی"

ساجن مینوں اُڈ اڈایا
میں عرشاں تے اُڈّی

عشق دی کھیڈ چ میں تے سیّو
پہلے پُور ای پُگّی

لوکی محل ای لبھدے رہ گئے
میں تے لبھ لئی جھگّی

دل دے شیشے اُتوں لاہ لے
دنیا والی اُلّی

دنیا دی دلدل وچ پھس کے
نی سکھیے تُوں بُھلّی

کافی

انج اے تُساڈا ساڈا سنگ
جیویں پھُل وچ خوشبو وَسّے
یا جوں بدلاں چ بجلی ہَسّے
یا جوں شیشے وچ لشکارا
یا جوں مہندی دے وچ رنگ
انج اے تساڈا ساڈا سنگ

انج اے تساڈا ساڈا سنگ
جیویں سازاں وچ آواز
یا جوں سینے دے وچ راز
یا جوں اکھیاں دے وچ نیندر
یا جوں دل وچ کوئی امنگ
انج اے تساڈا ساڈا سنگ

انج اے تساڈا ساڈا سنگ
جیویں پھُل پتی تے تریل
یا جوں رات فجر دا میل
یا جوں دیوٹ دے وچ چانن
یا جوں اے پنجاب چ جھنگ
انج اے تساڈا ساڈا سنگ

انج اے تساڈا ساڈا سنگ
جیویں پلکیں چمکے تارا
یا جوں برہوں آس سہارا
یا جوں زخماں دے وچ پیڑاں
یا جوں ڈوری نال پتنگ
انج اے تساڈا ساڈا سنگ

انج اے تساڈا ساڈا سنگ
جیویں ٹہنی دے وچ میوہ
یا جوں مندری دے وچ تھیوا
یا جوں بُوٹی دے وچ نشہ
یا جوں دارے وچ ملنگ
انج اے تساڈا ساڈا سنگ

انج اے تساڈا ساڈا سنگ
جیویں چیتر بُور پھُلاہی
یا جوں یاداں دے وچ ماہی
یا جوں لفظاں دے وچ معنی
یا جوں پیالے چ جل ترنگ
انج اے تساڈا ساڈا سنگ

انج اے تساڈا ساڈا سنگ
جیویں انگلی دے وچ چھلاّ
یا جوں مسجد وچ مُصلاّ
یا جوں صوفی دے ہتھ تسبی
یا جوں گوری بانہہ وچ ونگ
انج اے تساڈا ساڈا سنگ

کافی

پنج حواس تے پنج لطیفے
ظاہر باطن دسن
جنھاں بُجھی ایہہ بجھارت
اوہناں دے من وسّن
پہلے پنج نیں سپ اٹھوہیں
پل پل سانوں ڈَسّن
دوجے پنج نیں جنھاں سہیڑے
اوہ خوش قسمت ہَسّن
صبر قرار کھڑاون پہلے
دوجے خوشیاں دسن
اللہ والے دوجے چاہون
پہلیاں کولوں نسن
دنیا دار کمالا! پہلیاں
دے جالاں وچ پھَسّن

کافی

اَنّھے کھُوہ وچ ڈھوہن لگا ایں
اجے وی ویلا ای بچ اوئے یار

صبر قناعت اُٹھ گئی جگ توں جھکھڑ حرص دا گھُلیا
مت اجیئی ماری گئی سو بندہ رب نوں بُھلیا

چھڈ تکبّر ، سٹ وڈیائی
جیون تیرا کچ اوئے یار

دل شیشے تے دُھوڑ جمی آ شیشے نوں لشکا لے
نام اللہ دا جپ ہر ویلے اکھیوں نیر وہا لے

کُوڑی دنیا چار دیہاڑے
دنیا تے نہ مچ اوئے یار

جنھاں عمل کمائے سوہنے اونہاں ای باغ بہاراں
اوہناں نوں نئیں خوف اجل دا جنھاں رب دیاں ساراں

خوشیاں مانن باغ کمالا!
پلّے جنھاں دے سچ اوئے یار

عرضی

توں عرشیں تے میں آں فرشیں
اُڈّاں اُڈ نہ سکاں

نیویاں تھانواں اُتّے کھَلتا
تھلیوں بِٹ بِٹ تکّاں

لہو دے اندروں ہُملاں ٹُکیاں
اکھیوں تھک گئی لو

میں تے اُچّا ہو نئیں سکدا
تُوں ای نیواں ہو

بُلاوا

توں خالق تے میں مخلوق
میں عاشق تے توں معشوق
تیرے میرے چ لکھ پُواڑا
دھرتی توں عرشاں دا پاڑا
پر ایہہ شیشہ ---- میرا دل
جس وچ توں تے تیری خدائی
سبھ سمائی
لا نہ ایویں ڈِھل
آ! ہُن مینوں مِل

دِل

اُچ اُچیری ، وَڈ وڈیری
اِکّو تیری ذات

سبھ شیواں نیں تیری صفتوں
ہر وچ تیری جھات

پر اِس دِل دی شان اے وکھری
جس وچ تیری گھات

ذِکر

چونہاں پاسے کھنڈدیاں جاپن
لوواں تے خشبوواں
ساہ دی تند وچ جد وی تیرے
نام دے پھُل پرووواں

دُعا

ربّا ! میرے دِل نوں بخشیں
عملاں دی اوہ لو
چونہاں پاسے جس چوں کھِنڈے
نیکی دی خشبو

مرج البحرین

(حمدیہ - نعتیہ غزل)

ایک نشہ ہے کہ چھائے ہے ترے نام کے ساتھ
اِک تسلّی ہے کہ آئے ہے ترے نام کے ساتھ

عنبر و عود لُٹائے ہے تری یادِ جمیل
ایک خوشبو ہے کہ آئے ہے ترے نام کے ساتھ

گویا کونین کی دولت کو سمیٹا اُس نے
دل کی دنیا جو بسائے ہے ترے نام کے ساتھ

دل تصوّر میں ترے ڈوب گیا ہو جیسے
آنکھ بھی اشک بہائے ہے ترے نام کے ساتھ

حشر کیا ہو گا تمنّا کا تری دید کے وقت
آرزو حشر اُٹھائے ہے ترے نام کے ساتھ

ہے تِرا ذکر حلاوت میں کچھ ایسا کہ زباں
اِک نیا ذائقہ پائے ہے تِرے نام کے ساتھ

طُرفہ اِک رنگِ محبت کا اثر دیکھا ہے
رُوح بھی وَجد میں آئے ہے تِرے نام کے ساتھ

لذّتِ درد بفیضِ غمِ جاناں ، جاناں !
جذبۂ شوق بڑھائے ہے تِرے نام کے ساتھ

تجھ سے منسوب غزل کر کے کمالؔ اِترائے
اپنی توقیر بڑھائے ہے تِرے نام کے ساتھ

نعت

نُور و نکہت میں ڈھلی ظلمتِ شب آج کے دن
زیست کو مل گیا جینے کا سبب آج کے دن

آسماں جھوم اُٹھے ، خاک ہنسی ، لہرائی
تیری آمد کا تھا انداز ، عجب آج کے دن

آدمیّت کہ مقدّر میں رہی جس کے فغاں
تیرے آنے سے ہوئی خندہ بہ لب آج کے دن

ہاں ! تِرا حُسن ہُوا باعثِ تزئینِ چمن
بڑھ گیا ذوقِ نظر ، حُسنِ طلب آج کے دن

ایک تکریم کی چادر سی تنی جاتی ہے
اللہ اللہ ! یہ تقدّس یہ ادب آج کے دن

گلشنِ دل کہ خزاؤں نے اُجاڑا تھا کمالؔ!
کِس کے آنے سے ہُوا باغِ طرب آج کے دِن

سلام

مصطفیٰ ﷺ ، میرے رہبر ! کروڑوں سلام
مجتبیٰ ﷺ ، یارِ داور ! کروڑوں سلام

والیٔ دوجہاں تیری رحمت کی خیر
شاہِ روضۂ اطہر ! کروڑوں سلام

آسمانِ رسالت کا تُو آفتاب
ہیں نبی سارے اختر ، کروڑوں سلام

تیری اُمّت کے پیاسوں کو وقف ہو گئے
تیرے تسنیم و کوثر ، کروڑوں سلام

ہے اِک آرزو بس تِرے ساتھ ہی
میں رہوں روزِ محشر ، کروڑوں سلام

نگاہوں میں میری ہمیشہ رہے
تِرا روئے انور ، کروڑوں سلام

لکھوں اور پڑھوں اور سنوں میں کمال!
دُرودوں کے دفتر ، کروڑوں سلام

حرفِ اوّل

دین کا درخت تین حصوں پر مشتمل ہے جو عقائد (جڑیں)، اعمال --- حقوق اللہ وحقوق العباد (تنا اور شاخیں) اور احسان واخلاص (پھل) سے موسوم کیے جاتے ہیں --- اور پھل کو حاصل کرنے کے لیے راہِ تصوّف وسلوک میں لطائف و مراقبات کو ذرائع و وسائل کی حیثیت حاصل ہے۔ ''حالِ سفر'' اسی راہ اور ذرائع کی نشاندہی کی ایک کوشش ہے اور بس۔

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے
ہزار ہا شجرِ سایہ دار راہ میں ہے

چونکہ اس میں فقیر کے ذاتی ذوق وحال اور کیفیات وواردات اور بعض خوارق عادت اُمور کا بیان بھی درآیا ہے۔ اس لیے مبادا کوئی صاحب فتویٰ کا گلولہ داغ دیں --- جو ایسا کرنا چاہے، شوق پورا کرلے۔ فقیر فتویٰ کے پتھر کے جواب میں دعا کا پھول پیش کرے گا۔

میرے اوّلین مخاطب میری اولاد و اخلاف اور شاگردانِ رشید ہیں۔ تاہم کوئی دوسرا بھی استفاضہ کرلے تو یہ اس کا نصیب ہے۔ بقول حضرت حافظ شیرازیؒ:

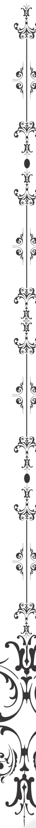
من اگر رندم و گر شیخ چہ کارم باکس
حافظ راز خود و عارف وقت خویشم

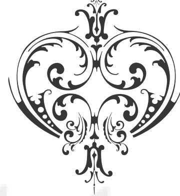
حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب ''**انفاسُ العارفین**'' کے صفحہ 17 پر اپنے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیمؒ اور دیگر خاندانی بزرگوں کے روحانی مشاہدات ومکاشفات وکرامات کے احوال قلمبند فرمائے ہیں --- کتاب کی وجہِ تصنیف بیان کرتے ہوئے آغازِ دیباچہ میں رقم طراز ہیں:

''حمد وصلوٰۃ کے بعد اہلِ بصیرت پر پوشیدہ نہیں کہ ''حِکَایَاتُ الْمَشَائِخِ جُندٌ مِّن جُنُودِ اللّٰہ'' (حکایاتِ مشائخ، اللہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے) کے قول کے مطابق صوفیا اور مشائخ کے اقوال واحوال جو کرامت واستقامت کو حاوی ہیں اور ظاہری و باطنی علوم کے جامع ہیں، مبتدیوں کو شوق ورغبت دلاتے ہیں، پختہ کاروں کے لیے دستور و میزان ہوتے ہیں---خصوصاً اولاد واخلاف کے لیے آباؤاجداد کے حالات سننے کا بڑا فائدہ ہوتا ہے---بسا اوقات صاحبِ صلاحیت کی غیرت کی رگ حرکت میں آجاتی ہے اور اسے کسی مقام پر پہنچا دیتی ہے۔''

اللہ کرے کہ ''حالِ سفر'' پڑھ کر میری اولاد اور شاگردانِ رشید کی رگِ ہمّت پھڑک اٹھے--اور وہ میری درود شریف کی روایت کو جاری رکھ سکیں-- مجھے جو کچھ ملا درود شریف کی برکت سے نصیب ہوا۔اس لیے متوسّلین کو تلقین کی جاتی ہے کہ صبح وشام ذکر بسم اللہ شریف، کلمہ طیبہ، کلمہ تمجید، استغفار ہر ایک یکصد بار---اسمِ ذات اور وظیفہ مخمساتِ عشر کے علاوہ اپنی تمام تر ہمّت و وقت صرف درود شریف کے لیے وقف رکھیں---اور سال میں آخری عشرہ رمضان شریف میں لیلۃُ القدر، شبِ برات، شبِ میلاد النبی ﷺ اور شبِ معراج کو جاگ کر زیادہ سے زیادہ درود شریف کا نذرانہ حضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جائے-- کیا بتاؤں کہ یہ کتنی بڑی دولت ہے۔

کوئی محرم نہیں ملتا جہاں میں
مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زباں میں







بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الۡاُمِّیِّ
وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحۡبِہٖ وَبَارِکۡ وَسَلِّمۡ

حالِ سفر

دورانِ تعلیم میرے سامنے تین منازل---اعلیٰ تعلیم، اعلیٰ ملازمت اوراعلیٰ سوسائٹی تھیں۔ گورنمنٹ کالج چکوال سے ایف۔اے پاس کرنے کے بعد سلسلۂ تعلیم منقطع ہو گیا۔ میونسپل آفس چکوال میں بطور کلرک ملازمت کا آغاز کیا اور پرائیویٹ طور پر منشی فاضل، بی۔اے، ایم۔اے (اردو، پنجابی) کے امتحانات پاس کیے۔ کلرکی سے ٹیچری اور پھر پروفیسری تک ایک صبر آزما جدوجہد جاری رکھی۔ اسی دوران میرے ادبی ذوق میں نکھار پیدا ہوتا چلا گیا اور میرے روابط و مراسم اعلیٰ سوسائٹی کے افراد سے بھی استوار ہوتے رہے۔ ایک قلم کار کی حیثیت سے میری نگارشات ممتاز رسائل و جرائد کی زینت بننے اور ریڈیو وٹی وی سے منظرِ عام پر آنے لگیں۔ ایک بے نام سے کرب اور مسلسل اضطراب کے تحت شعروسخن کی بزم آرائیوں میں سکون تلاش کرنے کی کوشش کی۔ آوارگی کا یہ عالم تھا کہ صبح دم گھر سے نکلنا اور فرائض منصبی کی ادائیگی کے بعد نصف شب تک گھر سے غائب رہنا برسوں کا معمول بن گیا۔ رات کو تھکا ہارا جب بستر پر دراز ہوتا اور دن بھر کے مشاغل کے ''حاصل'' کو سامنے دیکھتا تو بے چینی میں کچھ مزید اضافہ ہو جاتا۔ ہر رنگ پھیکا اور ہر سواد وقتی ثابت ہوتا اور دل پکار اٹھتا

ع جو لازوال ہو وہ سرخوشی نہیں ملتی

حیران تھا کہ نامساعد حالات میں اپنی دنیوی ''منازل'' کے حصول کے باوجود یہ بے نام سی بے قراری و خلش کیوں دل کا مسلسل روگ بن چکی ہے۔ دل سے پوچھتا:

ے دلِ ناداں ! تجھے ہوا کیا ہے
آخر اس درد کی دوا کیا ہے

---اوراس درد کی دوا کی تلاش میں سرگرداں تھا۔طبیعت کا تکدّرفزوں تر ہورہا تھا۔ پریشان تھا کہ کیا کروں ۔ایک دن گھر میں لیٹا ہوا تھا کہ دن بھر کی آوارگی سامنے آئی --- بے چینی بڑھی تو عجیب بے بسی کی کیفیت میں آنسو بہہ نکلے اور بے اختیار میری زبان سے "اللہ" نکلا۔آواز دل کی گہرائیوں سے نکلی تھی اوراس میں کچھ اتنا درد، اتنا کرب تھا کہ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں موم کی طرح پگھل چلا ہوں ---انھی دنوں درود شریف وردِ زبان رہنے لگا---اور نماز میں سکون ملنے لگا--- اس کا اثر یہ ہوا کہ قربِ الٰہی کی راہ پر چلنے کی طلب دل میں شدت سے جاگ اٹھی--- اور پھر میرے اللہ نے اس بندۂ عاصی کے دل میں اپنی محبت پیدا کردی --- ایک عجیب سی کسک بخش دی۔

اس محبوبِ حقیقی کو کہاں ڈھونڈوں---اس تک کیسے پہنچوں---زمین پر تو اس کی ذاتی تجلیات کا مظہر کعبہ ہے---شاید وہاں پہنچ کر درد کا درماں ملے

ے یارو ! کیسا منظر ہو گا !
باغ جو کعبہ سے لپٹے گا

اور پھر حرفِ تمنّا، ایک پکار، ایک دعا میں ڈھل گیا:

توں عرشیں تے میں آں فرشیں
اُڈّاں اُڈ نہ سکاں
نیویاں تھانواں اُتّے کھلتا
تھلیوں ہٹ ہٹ تکّاں

لہو دے اندر ہُملاں مُکیاں
اکھیوں تھک گئی لو
میں تے اُچّا ہو نئیں سکدا
تُوں ای نیواں ہو

عرش وفرش کے مالک نے یہ فریاد سنی تو فرش سے عرش تک پہنچانے والے ایک مردِ کامل کے قدموں میں پہنچا دیا---ایک وسیلہ بنا دیا۔

برادرِ بزرگ قاضی غلام علی صاحب سے حضرت مولانا اللہ یار خانؒ کے منارہ میں حلقۂ ذکر کا تذکرہ کئی بار سنا تھا---ایک دن "پاک ہوٹل" چکوال میں بیٹھا تھا کہ اچانک وہی کسک پھر عود کر آئی --- اچانک دل میں خیال آیا کہ منارہ چلنا چاہیے ، شاید گوہرِ مقصود حاصل ہو جائے --- باہر نگاہ پڑی تو اعوان بس سروس کی سرگودھا جانے والی لاری ہوٹل کے سامنے آ کر رکی---لپک کر اس میں بیٹھ گیا--- یہ 29/جولائی 1975ء کا واقعہ ہے---اور پھر منارہ پہنچا۔استادِ مکرّم کو دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔سادگی کی تصویر---اس شخصیت میں بلا کی کشش تھی۔سادہ سی چارپائی پر سادہ سا بستر لگا ہوا تھا اور آپ سادہ لباس میں ملبوس ساتھیوں میں نیچے دری پر بیٹھے ہوئے تھے۔مصنوعی وضع قطع اور سج دھج نام کو بھی نہ تھی۔کسی نے کوئی مسئلہ پوچھا۔ٹھیٹھ پنجابی میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے جب مفسّرین و محدّثین کے حوالے دیتے ہوئے مختلف نکات کی وضاحت فرمائی تو یوں محسوس ہوا جیسے بحرالعلوم موجزن ہو۔ اتنے میں مسجد سے اذان کی آواز گونجی۔سب لوگ مسجد کی طرف لپکے۔نماز کے بعد ایک صاحب اٹھے اور گویا ہوئے---"اب ذکر ہوگا"--- کچھ نئے احباب نظر آ رہے ہیں وہ ذکر کا طریقہ سمجھ لیں۔"

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے روئے سخن میری طرف ہو--- موصوف نے لطائف کے مقامات کی نشان دہی کی اور جب ذکر کے دوران لطائف کے نام گنوائے جانے لگے تو میرے ذہن میں حضرت سلطان باہوؒ کا ایک بیت گونجنے لگا:

ج جنہاں عشق حقیقی پایا مونہوں نہ کُجھ الاون ہو
ذکر فکر وچ رہن ہمیشہ دم نوں قید لگاون ہو
سِرّی ، قلبی ، روحی ، صوری ، اخفیٰ ، خفی کماون ہو
میں قربان تنہاں توں باہوؔ جیہڑے اِکس نگاہ جگاون ہو

ذکر کے دوران محسوس ہوا کہ یہاں محض پیر صاحب کی زیارت ہی کافی نہیں سمجھی جاتی بلکہ عملاً راہِ طریقت پر گامزن بھی کیا جاتا ہے--- ذکر کے بعد حضرت جیؒ کی مجلس میں جا کر بیٹھ گیا--- کچھ عجیب سکون پرور فضا تھی کہ وہاں سے اٹھنے کو جی نہ چاہا---اور گھر لوَٹنے کی بجائے وہیں رات قیام کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

مغرب کی نماز کے بعد حضرت جیؒ نے ذکر کرانا شروع کیا۔ لطائف کے دوران کیف وسرور کا عجب عالم تھا۔ بعد ازاں مراقبات میں تھوڑی تھوڑی دیر بعد جب چلو مقامِ احدیّت ، مقامِ معیّت ، مقامِ اقربیّت ، فنافی اللہ ، بقاء باللہ ، سالک المجذوبی ، منازلِ بالا ، سیرِ کعبہ ، روضۂ اطہر اور دربارِ اقدسﷺ کے الفاظ گونجنے لگے تو یوں محسوس ہوا کہ یہ قافلۂ سالکاں عالمِ بالا کے سفر پر جادہ پیما ہو چکا ہے اور میں بدنصیب پیچھے بے دست و پا بیٹھا ہوں۔

اس کے بعد نمازِ عشاء ادا کی گئی اور گھروں میں نرم و گداز گدیلوں پر محوِ استراحت ہونے والے عام پھوہڑوں پر دراز ہو گئے۔

سحَر دم آواز آئی---" بھائی صاحب ! اُٹھیے "---معلوم ہوا کہ نمازِ تہجد یہاں

کا ایک لازمی پروگرام ہے--- جب حضرت جیؒ نے ذکر کرانا شروع کیا تو بے وقت اٹھنے کے تکدّر نے بے حد خوشگوار صورت اختیار کرلی---ذکر کے بعد نمازِ فجر ادا کی گئی۔

مسجد سے اٹھ کر سکول میں آ گئے --- یہاں کتابوں کا ایک اسٹال نظر آیا ---حضرت جیؒ کی تصوف وسلوک پر شاہکار کتاب "**دلائلُ السّلوک**" اُٹھالی اور پھر جو پڑھنا شروع کیا تو ایسا محو ہوا کہ تین صد صفحات کی کتاب اوّل تا آخر ایک نشست میں پڑھ کر اُٹھا۔ مطالعہ کے بعد دل ودماغ کی دنیا میں جیسے زلزلہ سا آ گیا ہو اور کج فکری اور بے یقینی کے بادل یکسر چھَٹ گئے ہوں--- کیف وسرور اور ایمان و ایقان کی ایک لازوال قوّت سے دل معمور ہو گیا--- اور محسوس ہوا کہ یہی وہ خلا تھا جسے پُر کرنے سے دنیوی نعمتیں اور محفل ہائے رنگین یکسر عاری تھیں۔ یہ کیفیت مندرجہ ذیل اشعار میں ڈھل گئی:

میری نظروں میں فروزاں اِک مہِ کامل رہا
رات بزمِ ذکر میں اے دوست ! میں شامل رہا
دست بوسی میں بھی کر لوں گا رسولؐ اللہ کی
گر کرم حضرتؒ کا میرے حال میں شامل رہا
آنکھ میری کھُل گئی لیکن بہت افسوس ہے
ہائے ! وہ مُدّت کہ جس میں کاہل و غافل رہا
ہو گیا بحرِ طریقت میں ہوں میں بھی غوطہ زن
شکرِ ایزد ، اب نہیں شرمندۂ ساحل رہا
دیکھتا ہوں میں ردائے تیرگی کو چاک چاک
نُور کے آگے نہیں پردہ کوئی حائل رہا

شکرِ ایزد ، دور میں میرے ہے چمکا آفتاب
فیض سے جس کے نہیں محروم میرا دل رہا
زندگی ساری کٹی خُسران میں لیکن کمالؔ !
ان محافل میں جو گزرا وقت وہ حاصل رہا

دوسرے دن دورانِ ذکر کچھ انتہائی خوبصورت نقش و نگار کی تختیاں سینما سلائیڈ کی طرح نگاہوں کے سامنے سے گزرنے لگیں۔ایسی چترکاری کے دل آویز نمونے اور رنگوں کا حسین امتزاج تھا جو مسجد وزیر خان لاہور کی نقّاشی سے بھی لاکھوں درجہ دلفریب ہو--- ذکر کے بعد ایک ساتھی نے پوچھا۔''کمالؔ صاحب! کوئی انوارات بھی نظر آئے ہیں۔'' میں نے بتایا کہ آج حسین نقش و نگار دیکھے ہیں --- کہنے لگا---''آئیں آپ کو ایک ساتھی کے پاس لے چلوں---وہ صاحبِ کشف ہیں۔آپ کے لطائف کی حالت بتا دیں گے۔'' ان کے پاس گئے۔موصوف نے میرے سینہ پر نگاہ ڈالی اور دوسرے لمحہ کہنے لگے''آپ کے تین لطائف منوّر ہو چکے ہیں---اور دو ذرا مدھم ہیں۔کل تک انشاءاللہ تعالیٰ وہ بھی روشن ہو جائیں گے۔''

میں نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا---''آپ کو کیسے پتہ چلا؟''---مسکرا کر فرمانے لگے---''آپ کو جو نقوش نظر آئے ہیں ان میں سفید، سبز، سرخ، سنہری رنگ تھے ناں۔ جب نیلا اور سیاہ رنگ بھی دکھائی دیں تو سمجھ لیجیے گا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ کے تمام لطائف منوّر ہو گئے''---''مگر اتنی جلدی؟''---''جی ہاں! حضرت جی سالوں کا سفر دنوں میں طے کراتے ہیں۔''---چنانچہ وہی ہوا۔دوسرے دن ان نقوش میں نیلے اور کالے رنگوں کا بھی اضافہ ہو گیا۔

حالت یہ تھی کہ صبح ہوتی تو سوچتا شام کو گھر چلا جاؤں گا۔آج دن یہیں گزار لوں ---شام ہوتی تو کہتا رات گزار لوں صبح چلا جاؤں گا---ایک گھنٹہ گزارنے آیا تھا مگر

چار دن بیت گئے--- یہاں سے جانے کو جی ہی نہیں چاہتا تھا۔ آخر بادلِ نخواستہ گھر لوٹ آیا۔ پندرہ سالوں میں یہ پہلا دن تھا کہ چکوال پہنچ کر کسی شاعر دوست سے ملے بغیر سیدھا گھر چلا گیا۔

نمازِ مغرب کے بعد ذکر کیا، کھانا کھایا، عشاء کی نماز پڑھی اور بستر پر دراز ہو گیا۔ دعا کرنے لگا۔ یا اللہ! وہاں تو تہجد نصیب ہو جاتی تھی، یہاں کون جگائے گا۔ گہری نیند کی آغوش میں تھا کہ دفعتاً جھٹکا سا لگا۔ آنکھ کھل گئی۔ یہ جھٹکا بڑا اسرور انگیز تھا۔ گھڑی دیکھی تو وہی وقت تھا جب منارہ میں نمازِ تہجد کے لیے جاگنے کا معمول تھا--- اللہ کا شکر ادا کیا۔ وضو کیا، نوافل پڑھے، ذکر کیا، صبح کی نماز ادا کی۔ حسبِ معمول ناشتہ کیا۔ داڑھی کئی دنوں سے بڑھی ہوئی تھی، شیو کرنے بیٹھ گیا۔ چہرے پر صابن لگایا، سیفٹی ہاتھ میں لی تو دفعتاً خیال آیا کہ اب تک نفس کو خوش کرنے کے لیے کیا کیا فیشن اپنائے ہیں۔ لباس کے کیا کیا ڈیزائن اختیار کیے ہیں۔ اب اگر اللہ کے راستے پر چل نکلے ہو اور اس پر یقین ہے تو کم از کم حلیہ ہی رسول کریم ﷺ جیسا بنا لو--- خیال آتے ہی ہاتھ رک گیا۔ سیفٹی کا رخ بدل گیا جس نے چہرے کو خط سے مزیّن کر دیا۔

حلقۂ ذکر میں داخل ہو کر دعوتِ ذکر کا احساس وشوق اس شدت سے پیدا ہوا کہ جی چاہتا کہ چیخ چیخ کر ہوکا دوں کہ تشنہ کامو آؤ! اس ٹھاٹھیں مارتے سمندر سے جی بھر کر پیاس بجھاؤ۔ میری دعوتِ ذکر کی یہ دُھن دیکھ کر یار لوگ پھبتی کستے ”کمال صاحب کو کوئی آدمی نہ ملے تو پتھر ہی کو دعوتِ ذکر دے ڈالتے ہیں۔“

پھر رحمتِ حق نے یاوری فرمائی تو حضرت جیؒ نے 25/ جولائی 1976ء کو حضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں روحانی بیعت کے لیے پیش کیا۔ میں ایک سال سے اس مقدّس لمحہ کا بے چینی سے منتظر تھا--- حضور ﷺ کے دستِ اقدس میں اس گنہگار کے ہاتھ؟--- کہاں میں کہاں یہ مقام اللہ اللہ--- میں دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا۔

رقّت کی کچھ عجیب کیفیت تھی--- میں اپنی تمام تر کوشش کے باوصف اس کیفیت کو الفاظ کا جامہ پہنانے سے قاصر ہوں۔

شیخ المکرّم کے فیضانِ نظر کی کچھ عجیب اور نرالی شان تھی، تاثیر تھی، کیفیت تھی ---تشنہ کامانِ حق جوق در جوق آتے رہے اور سیراب ہو ہو کر جاتے رہے۔ جو بھی آیا ظرف واستعداد کے مطابق بامراد گیا اور ہر کسی پر اللہ ورسول ﷺ کا رنگ چڑھا دیا۔ ان کے فیضِ نگاہ نے نجانے کتنے سنگریزوں کو رشکِ لعل و گوہر بنا دیا۔ کتنے اپاہجوں کو وہ بال و پَر عطا کیے کہ ہفت افلاک اور عرشِ عظیم ان کی روحوں کی جولان گاہ بن کر رہ گئے۔ کتنے ناکاروں کو روحانی طور پر حضور ﷺ کے دربارِ اقدس میں باریابی کے بے مثال شرف سے سرفراز فرمایا۔ فقیر اس قلزمِ فیضان سے دس سال رَج کر سیراب ہوتا رہا۔ تا آنکہ وہ 19/ فروری 1984ء کو اپنے محبوبِ حقیقی سے جا ملے۔ آپؒ کے وصال پر یہ قطعہ تاریخ صادر ہوا:

"میرے استادِ مکرّم، قلزمِ فیضانِ عصر"
آفتابِ رُشد تھے وہ، آسمانِ شکر و صبر
عرش پیما جن کی کرتی تھی توجہ بے گماں
راہ وہ دشوار تر اَب ہو گئی ہے سالکاں!
غیب سے آئی ندا یہ بہرِ تاریخِ وصال
"مصرعہ اوّل کا پہلا لفظ باقی سے نکال"

مصرعہ اوّل کے پہلے لفظ "میرے" کے اعداد 260 اور باقی الفاظ کے اعداد 2244 بنتے ہیں۔ پہلے اعداد کو دوسرے اعداد سے تفریق کرنے پر شیخ المکرّم کا سالِ وصال 1984ء برآمد ہوتا ہے۔

تصوّف وسلوک اصلاحِ نفس، تزکیۂ باطن یا بالفاظِ دیگر تعمیرِ سیرت کا نام ہے۔ اور تعمیرِ سیرت کی عمارت کا اساسی پتھر ہستئ باری تعالیٰ پر ایمان وایقان ہے---

ہاں وہ ذاتِ باری تعالیٰ کہ ایک مخفی خزانہ تھی۔ اس نے چاہا کہ پہچانا جائے، اس ارادے کی تکمیل میں کائنات وجود پذیر ہوئی اور بے کراں و لا انتہا کائنات کے اس کرّہ زمین کو گوناگوں مخلوقات سے آباد اور حضرتِ انسان کو اشرف المخلوقات کا درجہ دے کر ان سب کو اس کی خدمت کے لیے اس کے زیرِ نگیں کر دیا گیا اور غایتِ تخلیقِ انسانی محض عبادتِ الٰہی قرار دی گئی۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○ (سورة الزّاريات، 51–56)

"اور ہم نے جن اور انسان کو پیدا ہی عبادت کے لیے کیا ہے۔"

---اسی حقیقت کا اعلان ہے اور طریقہ عبادت سکھانے اور ضابطہ حیات پر چلانے کے لیے ہر دور میں انبیائے کرام علیہمُ السّلام کو مبعوث کیا جاتا رہا۔ ان میں سے چند کو اولوالعزم رسول کے منصب سے نوازا اور ہمارے آقا حضورﷺ کو سب کا سردار و امام بنایا گیا۔ گویا تاجدارِ کونین کا وجودِ مسعود خلاصہ کائنات ٹھہرایا گیا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے---

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ج

(سورة آل عمران، 3-164)

"حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا اور انہیں پاک صاف کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔"

گویا آنحضورﷺ نے مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کے لیے دو انداز اختیار فرمائے۔ ایک علمی و ذہنی اور دوسرا روحانی و قلبی۔ پہلے طریقے سے آپﷺ نے قرآنِ کریم کی آیات و احکام اور دیگر اصولِ حیات و حکمت سکھائے---اور دوسرے طریقے

سے اپنی نگاہِ کیمیا اثر کے فیض سے ایمان لانے والوں کے شیشہ ہائے قلوب سے قبل از اسلام گناہوں اور غیر اللہ کی محبت کی تمام تر کثافت اور زنگ اتار کر اللہ کریم کے لیے شدید محبت کا رنگ اجاگر فرما دیا۔ پہلا طریقہ زبان و بیان سے متعلق اور دوسرا طریقہ القائی وانعکاسی اثرات کا حامل تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جونہی کوئی شخص ایمان لانے کی غرض سے آپؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا، اس کے قلب پر ایک نگاہِ معجز اثر پڑی اور وہ نفس کی تمام تر آلائشوں اور وساوسِ شیطانی سے پاک صاف ہو گیا --- صحابی بن گیا۔ اسی روحانی تربیت کا یہ اعجاز تھا کہ صحبتِ رسالت مآب ﷺ میں پہنچ کر ہر کوئی اپنی اپنی استعداد کے مطابق عالم، فقیہہ، مفسّر، حاکم، سفیر اور جرنیل بن کر ایمان وایقان کی قوتِ لازوال سے مالا مال ہو جاتا۔

جس طرف چشمِ محمد ﷺ کے اشارے ہو گئے

جتنے ذرّے سامنے آئے ستارے ہو گئے

روحانی تربیت کا یہی وہ نسخۂ کیمیا ہے جو رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے واسطہ سے سینہ بہ سینہ اُمتِ مسلمہ میں جاری رہ کر تا قیامت ظلمت گزین قلوب کو نور نور کرتا رہے گا --- دینِ متین کا یہی وہ روحانی رُخ ہے جو علمائے ظاہر کے ہاں قطعاً مفقود رہا ہے حتیٰ کہ حضرت امام غزالیؒ، حضرت امام رازیؒ اور حضرت مولانا رومیؒ جیسے یکتائے روزگار علماء وفضلا اپنے تمام تر ظاہری کمالاتِ علمی کے باوصف روحانی کسبِ فیوض کے لیے درویشانِ خدا مست حضرت شیخ بوعلی فارمدیؒ، حضرت نجم الدین کبریٰؒ اور حضرت شمس تبریزیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر زانوئے ادب تہہ کرنے پر مجبور ہوئے --- اس لیے کہ یہ وہ دولتِ عظمٰی ہے جو کتابوں کے سفینوں کی بجائے مردانِ کامل کے سینوں کے گنجینوں میں مستور ہوتی ہے اور اسے الفاظ وعبارت کی بجائے عملِ انعکاس والقاء کے ذریعہ سینۂ شیخ سے اخذ کیا جاتا ہے --- اور اسی روحانی "توجہ"

کے زیرِاثر روحِ سالک ان وراء الوراء روحانی منازل کی طرف گرم پرواز اور عرش پیما ہوتی ہے جہاں ستارے گردِ راہ کی صورت کہیں دور پیچھے رہ جاتے ہیں۔ یہی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وہ روحانی میراث ہے جو ہر دور میں اولیائے کرامؒ کو ودیعت رہی اور تاقیامت منتقل ہوتی رہے گی---انہی اولیائے کرامؒ میں سے بعض کو خصوصی روحانی مناصب سے نوازا جاتا ہے، انہی کے وجود کی ظاہری و باطنی برکات سے رحمتِ الٰہی اہلِ عالم کے شاملِ حال ہوتی ہے۔

ان مناصب کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:



اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں اپنے انبیاء ورسل کو کہیں عبد اور کہیں صدیق سے بھی خطاب فرمایا ہے---

سورۃ النساء کی آیت نمبر 69 میں ارشاد ہوتا ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ ....

"اور جو شخص اللہ جل جلالہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کہنا مان لے گا تو ایسے اشخاص بھی ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء اور صدّیقین---"

اور سورۃ مریم کی آیت نمبر 41 میں فرمایا:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ط اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝

"اور اس کتاب میں ابراہیمؑ کا ذکر کیجیے وہ صدیق اور نبی تھے۔"

اور سورۃ صٓ کی آیت نمبر 41 میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ م

"اور ہمارے عبد ایوبؑ کو یاد کیجیے۔"

اور حضورؐ کے متعلق "عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ" اسی کی طرف اشارہ ہے۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

حَدَّثَ اَنَسَ بِنْ مَالِكٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ صَعِدَ اُحُدًا مَعَ اَبُوْ بَكْرٍ، عُمَرْؓ وَّعُثْمَانُ فَرَجَفَ بِهِمْ فَضَرَبَهٗ بِرِجْلِهٖ فَقَالَ اثْبُتْ اُحُدُ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ وَ صِدِّيْقٌ وَ شَهِيْدَانِ

(رواه فی البخاری والمشکوٰة)

"حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ

ایک روز احد پہاڑ پر چڑھے اور آپؐ کے ساتھ ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ

تھے، ان کے باعث پہاڑ ہلنے لگا تو آپ ﷺ نے اپنے پاؤں

سے اس کو اشارہ کیا کہ "اے احد ٹھہر جا کیونکہ تیرے اوپر ایک نبی،

ایک صدّیق اور دو شہید ہیں۔"

گویا صدّیق، عبد اور نبی میں اتنا قریبی اتصال ہے کہ جہاں صدیقیّت و عبدیّت کی حد ختم ہوتی ہے وہاں سے حدِ نبوّت کا آغاز ہوتا ہے۔

منصبِ عبد کے متعلق حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ دفترِ اوّل کے مکتوب 30 میں یوں نشان دہی فرماتے ہیں---"لہٰذا مراتبِ ولایت کی انتہا مقامِ عبدیّت ہے۔ ولایت کے درجات میں مقامِ عبدیّت سے اوپر کوئی مقام نہیں---"

منصبِ صدّیق کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ "اِزَالَةُ الْخِفَاءُ" صفحہ 12 پر یوں رقمطراز ہیں:

"صدّیق کے معنی بڑا سچّا اور شریعت میں ایک خاص مرتبہ ہے

جس کی سرحد نبوّت کی سرحد سے ملی ہوئی ہے۔"

حضرت موصوف نے اپنے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیمؒ کے ایک خواب کا تذکرہ اپنی کتاب "اَنْفَاسُ الْعَارِفِیْن" کے صفحہ 73 پر بایں الفاظ کیا ہے:

"پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے میری روح کو اپنی روح میں

لے لیا اور مقامِ صدیقیّت جو ولایت کی انتہا ہے، سے گزار دیا۔"

قیّوم کے متعلق حضرت امام ربّانی دفتر دوئم کے مکتوب 74 میں فرماتے ہیں:

"وہ عارف جو قیّوم کے منصب پر فائز ہو، وزیر کا حکم رکھتا ہے کہ

مخلوق کے اہم امور کا تعلق اسی سے ہے۔ گو انعام تو بادشاہ کی طرف سے ہوتے ہیں مگر وہ وزیر کی وساطت سے ملتے ہیں۔''

عبد، صدّیق اور قطبِ وحدت کے مناصب صحابہ کرامؓ اور خیر القرون کے دور سے مختص تھے۔ تاہم زمانہ مابعد میں بھی بعض خصوصی حالات میں قلیل حضرات کو ان میں سے بعض مناصب سے نوازا جاتا رہا۔ جب بھی اسلام پر کوئی افتاد پڑی اور محسوس کیا گیا کہ ظلمت کا مقابلہ غوث کی قوّت سے نہیں کیا جا سکتا تو عمومی ڈگر سے ہٹ کر کسی اللہ کے بندے کو غوث کی بجائے کسی اونچے منصب پر فائز کیا گیا تا کہ وہ اپنی روحانی توجہ کی قوّت سے لادینیت کی ظلمت کو دین کے اجالے میں بدل سکے۔ مثلاً شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ''عبد''، حضرت امام غزالیؒ ''صدّیق'' اور حضرت مجدد الف ثانیؒ ''قطبِ وحدت'' تھے۔ یاد رہے کہ اشتراکِ منصب و منازل کے باوصف انبیائے کرامؑ، صحابہ کرامؓ اور اولیائے کرامؒ کے درجہ، شان اور شرف میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ غوث اور نچلے مناصب ہر زمانہ میں ہوتے ہیں لیکن بڑے مناصب خاص حالات میں۔ غوث تمام دنیا کی روحانی حکومت کا صدر ہوتا ہے اور چاروں اقطاب اس کے وزراء کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان میں قطب الاقطاب بطور سیکرٹری فرائض انجام دیتا ہے۔ سنیارٹی کے لحاظ سے پہلے قطبُ الاقطاب، پھر قطبِ ارشاد، پھر قطبِ مدار اور پھر قطبِ ابدال آتا ہے۔ قطبِ مدار کو بقاءِ عالم کا سبب بنایا جاتا ہے۔ قطبِ ابدال کا وجود بقاء سے متعلق امور میں وصولِ فیض کا ذریعہ ہے۔ اس لیے پیدائش، رزق، مصائب، صحت و آرام کے حاصل ہونے کا تعلق قطبِ ابدال کے فیض سے مخصوص ہے---اور ایمان، ہدایت، توبہ اور امورِ خیر کی توفیق قطبِ ارشاد کے فیض کا نتیجہ ہے۔ پھر ابدال، اوتاد، نجباء، نقباء، اخیار اور ابرار ہوتے ہیں۔ یہ سب اپنی الگ الگ شاخوں کے

باوجود منصب میں تقریباً مساوی ہوتے ہیں --- اگر دنیا کو چالیس برابر ملکوں میں تقسیم کیا جائے تو ہر ملک کا سربراہ ابدال ہوگا۔ پھر نیچے گاؤں تک اولیاء کا نظام پھیلا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ عالیہ سے حضرت خضرؑ اور حضرت الیاسؑ کو تکوینی امور میں ہر دور کے لیے قطبِ مدار اور قطبِ ابدال کا معاون ٹھہرایا ہے۔ اوراوتاد اور ابدال جیسے اپنے اقطاب کے ماتحت ہوتے ہیں ویسے ہی وہ مذکورہ بالا ہستیوں کے بھی تابع ہو کر تکوینی امور سرانجام دیتے ہیں۔ یہ دونوں بزرگ ولایت کی قلندری شاخ کے سربراہ کا درجہ رکھتے ہیں۔ ایک منصب رجسٹرار کا بھی ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیع سیکرٹریٹ کے سربراہ حضرت علیؓ ہیں۔ اس سیکرٹریٹ اور اولیائے زمانہ کے درمیان ایک ضروری کڑی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ہیں --- مگر بعض اوقات غیر معمولی حالات میں ضابطوں کی کارروائی مختصر کرنے کے لیے کسی منصب دار کو براہِ راست مرکزی سیکرٹریٹ سے منسلک کر دیا جاتا ہے۔ اسے رجسٹرار سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ان اصحاب مناصب کی روحانی توجہ کی قوت ان کے منصب کے اعتبار سے ایک دوسرے سے سو گنا فزوں تر ہوتی ہے۔ یعنی قطبُ الاقطاب کی سو بار توجہ غوث کی ایک بار توجہ کے مساوی ہے۔ اس حساب سے عبد کی توجہ کی قوت قطبِ ابدال کی قوّت سے دس سنکھ گنا زیادہ ہوتی ہے --- یہی وجہ ہے کہ غوث کے اوپر والے اولیائے کرامؒ اپنی قوّت کی شدّت کے باعث سالوں کا روحانی سفر دنوں میں طے کرانے کے اہل ہوتے ہیں اور اپنی غیبی توجہ سے بھی منازل سلوک طے کرا سکتے ہیں۔

روحانی تعلیم و تربیت کا دائرہ عمل قلبِ انسانی سے شروع ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیثِ مبارکہ ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : اِنَّ فِی الْجَسَدِ

لَمُضْغَۃٌ اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ

(رواہ فی البخاری والمسلم والمشکوٰۃ)

"رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ انسان کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے۔ وہ اگر ٹھیک ہو جائے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے اور اگر وہ خراب ہو جائے تو سارا جسم فاسد ہو جاتا ہے۔ سنو! وہ دل ہے۔"

حضرت امام غزالیؒ "کیمیائے سعادت" کے صفحہ 81 پر دل کے متعلق یوں ارشاد فرماتے ہیں:

"حقیقت یہ ہے کہ عالم بیداری میں بھی اگر کوئی شخص ریاضت و مجاہدہ سے کام لے اور دل کو غصّہ و شہوت اور اخلاقِ بد کے چنگل میں نہ پھنسنے دے۔ اس جہاں سے روگرداں ہو کر گوشۂ خلوت اختیار کر لے، آنکھیں بند کر لے اور حواس کو معطل کر دے اور دل کی عالمِ ملکوت سے مناسبت پیدا کر لے اور وہ یوں کہ ہمیشہ اور مسلسل زبان کی بجائے دل سے اللہ اللہ کہا کرے۔ یہاں تک کہ اپنے آپ سے بے خبر ہو جائے اور سوائے ذاتِ باری تعالیٰ کے کسی چیز کی سُدھ بُدھ نہ رہے، تو خواہ وہ بیدار ہی کیوں نہ ہو روزنِ دل اس پر کشادہ رہے گا اور جو کچھ دوسرے لوگ خواب میں دیکھتے ہیں وہ اسے بیداری میں دیکھے گا اور ارواحِ نیک اور فرشتے اسے حسین و جمیل صورتوں میں دکھائی دینے لگیں گے۔ ایسا شخص پیغمبروں کو بھی دیکھنے لگتا ہے اور ان سے فوائد حاصل کرتا ہے اور

ان کی امداد سے مشرف ہوتا ہے اور فرشتے زمین و آسمان کے ہر گوشے کو اس پر بے نقاب کر دیتے ہیں اور جس شخص پر یہ راز کھل جائے اس سے کارہائے عظیم دیکھنے میں آتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کی صفت کرنا محال ہے۔"

مزید برآں صاحبِ موصوف اپنی ایک دوسری کتاب "اَلْمُنْقَذُ مِنَ الضَّلَالُ" میں فرماتے ہیں:

"بیٹے! قلب کو چمکانے کا فن سیکھو۔ مگر یاد رکھو اس کے مدّعی بہت مگر جاننے والے خال خال ہوں گے۔"

غفلت اور گناہ سے قلب سقیم ہو جاتا ہے اور اسے قلبِ سلیم میں بدلنے کے لیے نسخۂ شفاء بزبانِ ہادی برحق ﷺ صرف ذکرِ الٰہی ہے۔ چنانچہ ارشادِ گرامی ہے:

عَنْ عَبْدُ اللّٰہؓ بِنْ عُمَرْ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ کَانَ یَقُوْلُ لَکُلِّ شَیْیءٍ صِقَالَۃٌ وَصِقَالَۃُ الْقُلُوْبِ ذِکْرُ اللّٰہِ وَمَا مِنْ شَیْیءٍ اَنْجٰی مِنْ عَذَابِ اللّٰہِ مِنْ ذِکْرِ اللّٰہ۔ قَالُوا وَلَا الْجِهَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ قَالَ: وَلَا اَنْ یَّضْرِبَ بِسَیْفِہٖ حَتّٰی یَنْقَطِعَ۔

(رواہ فی البیھقی)

"حضرت عبداللہؓ بن عمر حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ بیشک آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ ہر چیز کو صاف کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی چیز ہوتی ہے اور دلوں کو صاف کرنے کی چیز اللہ کا ذکر ہے۔ ذکرِ الٰہی سے بڑھ کر اللہ کے عذاب سے نجات دلانے والی کوئی چیز نہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا، کیا جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں؟ فرمایا نہیں، خواہ لڑتے لڑتے (مجاہد کی) تلوار کے ٹکڑے بھی ہو جائیں۔"

ذکرِ الٰہی کے باب میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

1۔ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلاً ٥ (سورة الدّهر، 76–25)

"صبح وشام اپنے رب کے نام کا ذِکر کرو۔"

2۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ٥ (سورة الرّعد، 13–28)

"سنو! دلوں کا سکون تو اللہ کے ذِکر میں ہے۔"

3۔ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَاماً وَّ قُعُوْداً وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ (سورة النّساء، 4–103)

"پھر جب تم نماز پڑھ چکو تو اُٹھتے، بیٹھتے اور لیٹے اللہ کا ذکر کرو۔"

4۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ٥ وَّ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيلاً ٥ (سورة الاحزاب، 33–41,42)

"اے ایمان والو! اللہ کا ذکر بہت کثرت سے کرو۔ (خصوصاً) صبح وشام اس کی تسبیح کیا کرو۔"

5۔ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعاً وَّ خِيْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ٥

(سورة الاعراف، 7–205)

"اور اپنے رب کا ذکر عاجزی اور خوف سے دل میں اور دھیمی آواز سے صبح وشام کیا کرو اور غافلین میں سے نہ ہو۔"

ایک حدیث شریف میں آیا ہے:

عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَاَنْ اَقْعُدَ مَعَ قَوْمٍ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ تَعَالٰى مِنْ صَلٰوةِ الْغَدَاوةِ حَتّٰى

تَطْلَعَ الشَّمْسُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اَعْتِقَ اَرْبَعَۃً مِنْ وُّلْدِ اِسْمٰعِیْلَ وَ لَاَنِّیْ اَقْعُدَ مَعَ قَوْمٍ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ مِنْ صَلٰوۃِ الْعَصْرِ اِلٰی اَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اَعْتِقَ اَرْبَعَۃً۔

(رواہ ابوداؤد و فی المشکوٰۃ)

''حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ مجھے صبح کی نماز کے بعد سے سورج نکلنے تک اللہ کا ذکر کرنے والے لوگوں کے ساتھ بیٹھنا اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں حضرت اسمٰعیلؑ کی نسل کے چار غلاموں کو آزاد کر دوں۔ اور میں ان لوگوں کے ساتھ بیٹھوں جو عصر کی نماز کے بعد سے سورج ڈوبنے تک اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ یہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں چار غلام آزاد کروں۔''

سبحان اللہ! اللہ جل جلالہٗ کا ذکر کرنے کی کیا شان ہے کہ محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان کے ساتھ بیٹھنا پسند فرماتے ہیں --- اور پھر یہ ذرّہ نوازی صرف آپؐ ہی کی طرف سے نہیں بلکہ خود رب العالمین اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ارشاد فرماتے ہیں:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ

(سورۃ الکھف، 18-28)

''اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آپ ان لوگوں کے ساتھ اپنے آپ کو روکے رکھیے (بیٹھیے) جو اپنے رب کو صبح و شام پکارتے ہیں۔''

حضورؐ نے ایک حدیث شریف میں حضرت ابوذر غفاریؓ کو یہ ہدایت فرمائی:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَیْكَ بِتِلَاوَةِ الْقُرْاٰنِ

وَ ذِکْرُ اللّٰہِ عَزَّ وَ جَلَّ فَاِنَّہٗ ذِکْرُ لَّکَ فِی السَّمَآءِ وَ نُوْرُ لَّکَ فِی الْاَرْضِ ۔ (الترغیب و الترھیب، 3-530، علامہ عبدالعظیم منذری)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تلاوتِ قرآن کو لازمی پکڑ اور ذکرِ الٰہی کیا کر کیونکہ اس سے آسمان میں تیرا ذکر ہو گا اور زمین میں تیرے لیے نور ہو گا۔"

اس میں تلاوتِ قرآن اور ذکر اللہ کے درمیان واوٗ عطفی ہے جو اِن دونوں میں فرق بیان کر رہی ہے۔

بعض لوگ لاعلمی میں مجرّد اسمِ ذات --- اللہ جل جلالہ کے ذکر کا ثبوت مانگتے ہیں۔ ان کے نزدیک اوراد و تسبیحات ہی سے ذکر کی شرط پوری ہو جاتی ہے اور اسمِ ذات کا ذکر فالتو یا غیر ضروری خیال کرتے ہیں --- ان کی خدمت میں عرض ہے کہ ساری کائنات کی روح اللہ کا نام ہے --- حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ:

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ قَالَ: لَا تَقُوْمُ السَّاعَةَ عَلٰی اَحَدٍ یَّقُوْلُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ

(رواہ مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک دنیا میں ایک بھی اللہ اللہ کرنے والا موجود ہو گا۔" --- اس پر دال ہے --- مزید برآں نماز کا آغاز اللہ اکبر اور انجام السلام علیکم ورحمۃ اللہ پر ہوتا ہے یعنی اللہ سے شروع اور اللہ ہی پر ختم ہوئی ----- علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کے فرمان کہ:

وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَ تَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا ○ (سورۃ المزمل، 73-8)

"ساری دنیا سے کٹ کر اپنے رب کے نام کا ذکر کرو۔"

میں غور کیا جائے تو سوال کا جواب مل جاتا ہے کہ آخر رب کا نام کیا ہے؟ --- اللہ ہی رب کا نام ہے --- گویا اس آیتِ کریمہ میں اسمِ ذات اللہ کے ذکر کا ہی حکم صادر فرمایا گیا ہے۔ مزید ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ (سورۃ الزمر، 39–45)

"جب خالص اللہ کا نام لیا جائے تو ان کے دل رک جاتے ہیں جو آخرت کا یقین نہیں رکھتے۔"

یہ آیتِ کریمہ گویا اللہ کے ذکر کے مخالفین کے لیے ایک وعید کا درجہ بھی رکھتی ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے:

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اَنَّ رَجُلاً فِیْ حَجْرِهٖ دَرَاهِمٌ يَّقْسِمُهَا وَ آخِرُ يَذْكُرُ اللّٰهَ لَكَانَ الذَّاكِرُ اللّٰهَ اَفْضَلُ۔ (رواہ الطبرانی)

"ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر ایک آدمی کی جھولی میں درہم ہوں اور وہ ان کو تقسیم کر رہا ہو اور دوسرا آدمی برابر اللہ کا ذکر رہا ہو تو اللہ کا ذکر کرنے والا اس (درہم تقسیم کرنے والے) سے افضل و اعلیٰ ہوگا۔"

مزید برآں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذکر کی اہمیت یوں بیان فرمائی:

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَثَلُ الَّذِیْ يَذْكُرُ رَبَّهٗ وَالَّذِیْ لَا يَذْكُرُ مَثَلُ الْحَیِّ وَ الْمَيِّتِ۔ (رواہ البخاری والمسلم والبیہقی)

"ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس شخص کی جو اپنے پروردگار کا ذکر کرتا ہے اور اس شخص کی جو اپنے پروردگار کا ذکر نہیں کرتا "زندہ" اور "مردہ" کی سی مثال ہے۔"

ایک اور مقام پر فرمایا:

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اِذَا مَرَرْتُمْ بِرِیَاضِ الْجَنَّۃِ فَارْتَعُوْا قَالَ وَمَا رِیَاضُ الْجَنَّۃِ قَالَ: حِلَقُ الذِّکْرِ۔ (رواہ احمد والترمذی والبیھقی)

"حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم بہشت کے باغوں سے گزرا کرو تو سیر ہو کر چر لیا کرو۔ صحابہؓ نے عرض کیا، بہشت کے باغات کیا ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: "ذکر کے حلقے" (مجلسیں)۔

ایک حدیثِ قدسی میں فرمایا:

"آج تمام اہلِ محشر کو معلوم ہو جائے گا کہ عزت واحترام کے لائق کون ہیں" تو رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ یا رسول اللہؐ! یہ عزت واحترام کے لائق کون ہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ مسجدوں میں ذکر کی مجلسیں (منعقد) کرنے والے (ذاکرین) ہیں۔"

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ:

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَکْثِرُوْا ذِکْرَ اللّٰہِ حَتّٰی یَقُوْلُوا مَجْنُوْنٌ۔ (رواہ احمد و ابو یعلٰی والحاکم)

"ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اتنی کثرت سے اللہ کا ذکر کیا کرو کہ لوگ تم کو دیوانہ کہنے لگیں۔"

گویا غایت عبادت یہ ہے کہ انسان کا دل کسی لمحہ بھی اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ ہونے پائے --- اور اس یادِ الٰہی کو دائمی طور پر دل میں جاگزین کرنے کے لیے ہی صوفیاء کرامؒ قلب اور سینے میں چند دوسرے مقامات جنہیں تصوف کی اصطلاح میں لطائف سے تعبیر کیا جاتا ہے پر تصوّر جما کر اسمِ ذات "اللہ" کی ضربات واشغال اختیار کرتے اور سالکین کے قلوب اور مذکورہ مقامات پر اپنی روحانی توجہ القاء کرتے ہیں --- اس باطنی توجہ کی تائید اس حدیثِ پاک سے ہوتی ہے۔

ثُمَّ وَضَعَ یَدَہٗ عَلٰی نَاصِیَۃِ اَبِیْ مَحْذُوْرَۃَ ثُمَّ اَمَرَّ عَلٰی وَجْھِہٖ مِنْ بَیْنِ ثَدْیَیْہِ ثُمَّ بَلَغَتْ یَدُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سُرَّۃَ اَبِیْ مَحْذُوْرَۃَ ثُمَّ قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَارَكَ اللّٰہُ لَكَ وَعَلَیْكَ (رواہ ابنِ ماجہ)

"اور پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو محذورہؓ کے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔ پھر ہاتھ کو اس کے چہرے پر لے گئے، پھر سینے پر، پھر آپؐ کا ہاتھ اس کی ناف تک پہنچا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا دی کہ اللہ برکت دے۔"

توجہ اور تصرّف کی وہ مثال قابلِ غور ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غارِ حرا میں تھے تو حضرت جبرائیلؑ تشریف لائے اور تین بار فرمایا "اقراء"۔ دو دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا "مَا اَنَا بِقَارِیءٍ" مگر تیسری بار حضرت جبرائیلؑ نے سینہ سے لگا کر چھوڑا

تو آپؐ نے پڑھنا شروع کیا--- بخاری کی اس حدیث شریف کی شرح میں عارفِ کامل محدثِ اجل عبداللہ ابی بن جمرہؒ نے "بَهْجَةُ النُّفُوسِ" میں فرمایا ہے:

"اس حدیث سے ثابت ہوا کہ دبانے والے کا اتصال اس کے جسم سے ہوا جسے بھینچا گیا جو حصولِ فیض کا ایک طریقہ ہے، تو اس جسم کے اتصال سے باطن میں ایک قوتِ نورانیہ پیدا ہو جاتی ہے اور اس قوت سے دوسرا شخص اس بوجھ کو اٹھانے کے قابل ہو جاتا ہے چنانچہ جب جسم جبرائیلؑ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے متّصل ہوا تو اس میں وہ کیفیتِ نورانیہ پیدا کر دی جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ مزید یہ کہ فرشتہ کی آواز سنی جو اس سے پہلے نہ سنی تھی اور اہلِ میراث متبعین سنت محققین صوفیہ نے یہی طریقہ حاصل کیا ہے۔"

مزید برآں مشکوٰۃ شریف میں حضرت اُبیؓ بن کعب کا واقعہ اُن کی زبانی مذکور ہے:

فَسَقَطَ فِي نَفْسِيْ مِنَ التَّكْذِيْبِ وَلَا اِذْ كُنْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَلَمَّا رَاٰى ءرَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قَدْ غَشِيَنِيْ ضَرَبَ فِيْ صَدْرِيْ فَفُضْتُ عِرْقاً وَ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلَى اللهِ----- قَالَ صَاحِبُ الْمِرْقَاةِ فَلَمَّا نَاوَلَهٗ بَرْكَةَ يَدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَالَ عَنْهُ الْغَفْلَةُ وَالْاِنْكَارُ وَصَارَ نِيْ مَقَامَ الْحُضُوْرِ وَالْمُشَاهَدَةِ (رواہ صاحب المشکوٰۃ)

"ابیؓ بن کعب فرماتے ہیں کہ اسلام کی تکذیب زمانۂ جاہلیت سے بھی زیادہ میرے دل میں واقع ہوگئی۔ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے مجھے دیکھا تو میرے سینے پر ہاتھ مارا تو میں پسینہ پسینہ ہو گیا۔ حالت یہ ہوگئی کہ گویا میں اپنے رب کو دیکھ رہا ہوں۔“

---صاحبِ مرقاۃ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے دستِ مبارک کی برکت سے غفلت زائل ہوگئی اور فوراً ہی مقام حضور و مشاہدہ حاصل ہو گیا۔“

گویا توجہ کی غرض غفلت کو دور اور نورِ ایمان کو تیز تر کرنا ہے۔ نیز حضرت اُبیؓ بن کعب کے واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ توجہ انکشاف کا باعث بھی بن سکتی ہے--- نیز یہ کہ سالہا سال کے مجاہدات اور ریاضت سے اتنا فائدہ نہیں ہوتا جو کسی مردِ کامل کی تھوڑی سی توجہ سے حاصل ہو جاتا ہے--- اور یہ کہ شیخِ کامل کی توجہ کے بغیر محض مجاہدات سے منازل سلوک طے نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ سلوک اور تصوف القائی اور انعکاسی عمل ہے۔

حیاتِ انسانی جسم و روح کے اتصال سے عبارت ہے۔ جس طرح ظاہری جسم کے چہرے کے حصہ میں مختلف حواس کے لیے مختلف اعضاء کان، آنکھ، ناک، زبان اور قوتِ لامسہ ہیں--- اسی طرح روح کے حواس کو لطائف قلبی، روحی، سری، خفی اور اخفیٰ سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ان کا محل سینہ ہے۔ یوں سمجھ لیجیے کہ سینے میں پانچ شیشے ہیں جو ہماری غفلت اور گناہ کے نتیجہ میں زنگ آلود ہو جاتے ہیں۔ ان لطائف کو منوّر کرنے کی واحد دوا اللہ کا ذکر ہے۔

لطائف کے بارے میں حضرت شاہ ولیؒ اللہ ”**القول الجمیل**“ صفحہ نمبر 99 میں مجدد صاحبؒ کے قول کا حوالہ دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر چھ لطائف پیدا کیے ہیں جو اپنی ذات میں حقائق کے اعتبار سے علیحدہ علیحدہ ہیں۔ نیز

میں نے اپنے والد ماجد سے سنا کہ بعض لطیفے بعض کے اندر ہیں اور اس کے متعلق اس حدیث سے استدلال فرماتے ہیں جو صوفیوں میں مشہور ہے کہ:

اِنَّ فِیْ جَسَدِ اٰدَمَ مُضْغَةٌ وَفِی الْمُضْغَةِ فُؤَادٌ وَفِی الْفُؤَادِ قَلْبٌ وَفِی الْقَلْبِ رُوْحٌ وَفِی الرُّوْحِ سِرٌّ وَفِی السِّرِّ خَفِیٌّ وَفِی الْخَفِیِّ اَخْفٰی وَفِی الْاَخْفٰی نَفْسٌ۔

(1)"شمس العارفین" صفحہ نمبر 98، حضرت سلطان باھوؒ،

(2) "ضیاء القلوب"، صفحہ نمبر 17، حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ)

"انسان کے جسم میں ایک لوتھڑا ہے اور لوتھڑے میں فؤاد، فؤاد میں قلب، قلب میں روح، روح میں سر، سر میں خفی، خفی میں اخفیٰ ہے اور اخفیٰ میں نفس ہے۔"

خلاصہ یہ کہ حضرت مجدد صاحب کا مقصد یہ ہے کہ ان لطیفوں میں سے ہر ایک کو بدن کے بعض اعضاء سے ایک ربط و تعلق حاصل ہے۔ لہٰذا قلب کا تعلق بائیں پستان کے نیچے دو انگلی پر ہے۔ اور روح کا ارتباط دل کے مقابلے میں دائیں پستان کے نیچے دو انگلی پر، سری بائیں پستان کے اوپر، خفی دائیں پستان کے اوپر اور اخفیٰ کا مقام وسط میں ہے۔ نفس پیشانی پر اور سلطانُ الاذکار پورے جسم پر حاوی ہے۔"

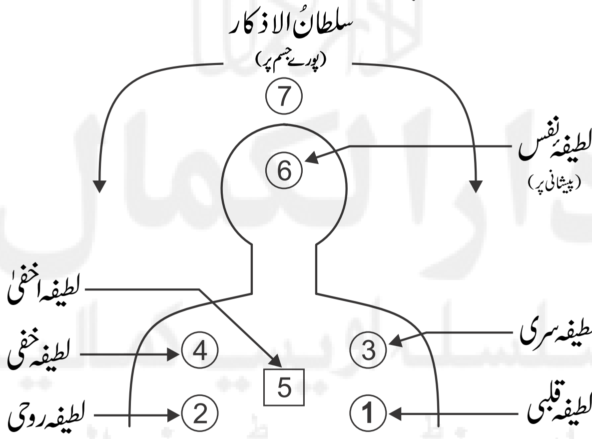
بقول حضرت حاجی امداد اللہ مکیؒ:

"انسان کے جسم میں چھ جگہیں انوار و برکات سے پُر ہیں اور یہی لطائف کہلاتی ہیں۔"

بقول حضرت سلطان باھوؒ:

ب سرّی ، قلبی ، روحی ، صوری ، اخفیٰ ، خفی کماون ہُو
میں قربان تنہاں توں باھُو جیہڑے اکس نگاہ جگاون ہُو

اگرچہ لطائف کے مقامات اور انوارات کے رنگوں میں صوفیاء کا قدرے اختلاف ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ یہ لطائف آئینوں کی طرح باہم مربوط ہیں۔ اس لیے ایک دوسرے کے انوار آپس میں بعض اوقات اس طرح منعکس ہو جاتے ہیں کہ یہ تمیز کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ کس لطیفے کے انوار ہیں۔البتہ فقیر کمالؔ کی تحقیق کے مطابق پہلے لطیفے کا رنگ زرد سرخ، دوسرے کا سفید، تیسرے کا سیاہ، چوتھے کا نیلا، پانچویں کا سبز اور چھٹے ساتویں میں سب رنگوں کا امتزاج ہوتا ہے۔لطائف کا محلِ وقوع حسبِ ذیل نقشے سے واضح ہو جائے گا:



پہلے لطیفے کا فیض حضرت آدمؑ سے متعلق ہے اور اس کے انوارات و برکات آسمانِ اوّل سے آتے ہیں۔دوسرے کا حضرت نوحؑ ،حضرت ابراہیمؑ اور آسمانِ دوم سے، تیسرے کا حضرت موسیٰؑ اور آسمانِ سوم سے، چوتھے کا حضرت عیسیٰؑ اور آسمانِ چہارم سے اور پانچویں کا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آسمانِ پنجم سے ہے۔ چھٹے اور ساتویں لطائف کے جاری ہونے پر چھٹے اور ساتویں آسمان سے انوار و برکات نازل ہوتے

ہیں۔ان لطائف پر ذکر کے دوران بعض اوقات صاحبِ کشف کو متعلقہ آسمان و نبی، بیت العزت، بیت المعمور اور سدرۃ المنتہیٰ کی زیارت بھی نصیب ہو جاتی ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ ان لطائف کو روح میں وہی حیثیت حاصل ہے جو حواسِ خمسہ کو جسم میں حاصل ہوتی ہے۔اگر کسی کے جسمانی حواس معطل ہو جائیں تو وہ ایک جاندار گوشت کا لوتھڑا رہ جاتا ہے اور اس کی زندگی وبالِ جان بن جاتی ہے۔اسی طرح جس آدمی کی روح کے یہ لطائف تاریک ہوں تو اس کی ساری روح ناکارہ ہو جاتی ہے۔ چونکہ قبر اور آخرت میں روحانی زندگی ہوگی اس لیے اس شخص کی اخروی زندگی مصیبت بن کر رہ جائے گی۔

اتنی اہم اور انقلاب پرور تاثیر سے مملو عبادت کو فراموش کر دینے کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ آج ہم سوز و سازِ رومیؒ اور پیچ و تابِ رازیؒ سے محروم ہیں---نماز پڑھتے ہیں مگر ذخیرہ اندوزی اور کینہ توزی سے باز نہیں آتے---حج کرتے ہیں لیکن کاروبارِ سیاہ میں ملوث ہونے سے احتراز نہیں کرتے۔روزہ رکھتے ہیں مگر پڑوسی کے فاقوں کے احساس سے عاری ہیں---گویا خلوص فی الاعمال سے کوئی سروکار نہیں رکھتے---الغرض جب تک اللہ کریم کے ذکر سے دل آباد رہتا ہے، مشیّتِ ایزدی کے باعث حسنِ عمل کی توفیق ملتی اور زندگی سکون و مسرت کا گہوارہ بنی رہتی ہے اور جونہی دل غفلت کا شکار ہوتا ہے انسان حرص و آز کا بندہ، ہوا و ہوس کا پجاری اور سیرت و کردار کی پاکیزگی سے عاری اور مخارب اخلاق کا عادی ہو جاتا ہے---اور جب کوئی معاشرہ ان برائیوں میں مبتلا ہو جائے تو امن و اطمینان غارت اور راحت و شادمانی عنقا ہو جاتے ہیں۔جنگل کے قانون کی بالادستی ہوتی ہے---زبردستوں کا بازوئے چیرہ دست دراز ہو جاتا ہے اور زیردستوں کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔

”اَللّٰہُ“ ربِّ ذوالجلال والاکرام کا وہ اسمِ ذاتی ہے جس کے ذکر سے شیشہ ٔدل سے کثافت دور ہو کر اس میں چمک پیدا ہوتی ہے اور جب یہ شیشہ پوری طرح منوّر ہو جائے تو اس میں تجلیاتِ باری تعالیٰ ہر آن جلوہ بار ہوتی ہیں اور خواہشاتِ نفسانی کے بُت پاش پاش ہو جاتے ہیں۔ اس وقت دل کبر و نخوت، جور و ستم، حرص و آز، لوٹ کھسوٹ اور خود غرضی کی تاریکی کی بجائے عجز و خدا ترسی، ہمدردی و انسان دوستی، ایمان داری و دیانتداری، ایثار و مروّت، حلم و تحمل، صبر و قناعت اور رضا و توکل کے اجالوں سے جگمگا اٹھتا ہے--- القصہ نفسِ امّارہ، نفسِ مطمئنہ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اوامر کی پابندی اور نواہی سے اجتناب کا احساس کارفرما ہو کر دریائے دل میں حبِ الٰہی کے جذبات موجزن ہو جاتے ہیں--- یہی محبت شدید ہو کر عشق کا درجہ اختیار کر لیتی ہے جس کے نتیجہ میں ایمانِ کامل اور یقینِ محکم نصیب ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ط (سورة البقرة، 2–165)

”جو لوگ ایمان لاتے ہیں وہ اللہ سے شدید محبت کرتے ہیں۔“

اور--- يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ (سورة المائدہ، 5–54)

”اور وہ (اللہ) ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اس (اللہ) سے محبت کرتے ہیں۔“

سو اِس محبت کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان اپنی خواہشاتِ نفسانی پر غالب آ کر راضی برضائے الٰہی ہو جاتا ہے۔ اس کا ہر قول و عمل متابعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سانچے میں ڈھل کر عین حکمِ الٰہی کے مطابق ہو جاتا ہے۔ چنانچہ میرے ذاتی مشاہدہ میں آیا ہے کہ ذکر کی انقلاب انگیز تاثیر سے ہزاروں فسق و فجور میں مبتلا لوگوں

کو صدقِ دل سے گناہوں سے توبہ کی توفیق نصیب ہوئی اور ان کا کردار خوشگوار رنگ اختیار کر گیا۔

یہی وہ تزکیۂ باطن ہے جس سے دنیوی و اخروی فلاح اور شادکامی وابستہ ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَكّٰىۙ ○ وَذَكَرَ اسۡمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ○

(سورۃ الاعلیٰ ، 87-14,15)

" بے شک بامراد ہو گیا وہ شخص جو (بُرے اخلاق سے) پاک ہو گیا اور اپنے رب کا نام لیتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔"

گویا تزکیۂ باطن اور ذکرِ اسمِ ذات لازم و ملزوم ہیں --- یہی وجہ ہے کہ تمام سلاسلِ سلوک میں ذکرِ اسمِ ذات کو تصوف کے قصرِ رفیع الشّان کی بنیاد ٹھہرایا گیا ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ ہر دور میں مادیت کے تیرہ و تار طوفانوں میں فقیرانِ بوریانشین کی خانقاہوں میں ٹمٹمانے والے چراغوں کی ضو ہی سے لوگوں کے سینے منوّر اور ذکر اللہ جل جلالہ کی ضربوں سے شیطانی قلعے مسمار ہوتے رہے اور یہی وہ نفوسِ قدسی ہیں جو معاشرے کو لادینیت کی منغض یلغار سے بچانے کے لیے ہر دور میں روحانیت کی خوشبوئے جاں نواز کے جھونکے لٹاتے رہے۔ انہی اولیائے کرامؒ اور ذکر اللہ جل جلالہ کی ظاہری و باطنی برکات سے معاشرے میں اعلیٰ اقدار کا بول بالا رہا۔

حقیقت یہ ہے کہ جب سے اسلامیانِ عالم کے سینے آتشِ اللہ اللہ سے سرد ہوئے ہیں، انہوں نے تعلیماتِ اسلامیہ سے منہ موڑ لیا ہے اور دین سے بیگانگی اختیار کر لی ہے، ان کا ایمان کمزور اور یقین مضمحل ہو چکا ہے۔ وہ جوشِ عمل سے محروم اور قوتِ کردار سے عاری ہو جانے کے باعث اقوامِ عالم میں زبوں و خوار ہو کر رہ گئے

ہیں --- دین، دینی شعائر اور اخلاقی اقدار سے دُوری کے سبب ذہنی ناآسودگی، بے عملی، پریشان حالی اور ژولیدہ فکری کے عفریت نے اُمتِ مسلمہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ ہماری زبوں حالی پر طاغوتی طاقتیں شاداں و فرحاں ہیں --- اور ہم ''کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا'' کی تصویر۔ بقول حضرتِ اقبال:

بُتوں کو میری لادینی مبارک
کہ ہے آج آتشِ اللہ ہُو سرد

اس بھیانک صورت حال سے بچنے اور مثالی معاشرہ تخلیق کرنے کا واحد طریقہ انفرادی و اجتماعی طور پر ذکر اللہ اپنانے میں ہے --- اس لیے کہ اصلاحِ معاشرہ کے باب میں افراد پر خارجی اصلاحات و تدابیر اس وقت تک کما حقہ' اثر انداز نہیں ہو سکتیں جب تک ان کے باطن میں انقلاب رونما نہ ہو --- اور باطن میں انقلاب ذکرِ اسمِ ذات کے بغیر ناممکن ہے۔ زمین بے اماں کو امن کا گہوارہ بنانے کے لیے وہی نسخہ استعمال کرنا پڑے گا جو صوفیائے کرامؒ اب تک تجویز کرتے آئے ہیں۔

سو آج اگر آپ محبتِ الٰہی کے طالب، تزکیۂ باطن کے خواہاں، سکونِ قلب کے جویا اور اصلاحِ معاشرہ کے تمنائی ہیں تو اپنے دل کو اللہ جل جلالہ کے ذکر کی سرمدی تانوں سے آباد کیجیے۔ پھر دیکھیے عبادت میں کیسا سرور ملتا، اعمال میں کیسی خوبی پیدا ہوتی، اللہ کا رنگ کیسا چڑھتا، معاشرہ کیسے اصلاح پذیر ہوتا اور یہ ارضِ بے اماں کیسے ''جنت گم گشتہ'' کا روپ دھارتی ہے۔ بقول حضرتِ اقبال:

نہ چھوڑ اے دل فغانِ صبح گاہی
اماں شاید ملے اللہ ہُو میں!

آیئے! اب ذرا دیکھیں کہ اللہ کریم کے ہاں ذاکر کی کیا قدرومنزلت ہے ---فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ۝

(سورۃ البقرہ، 2–152)

"پس تم میرا ذکر کرو، میں تمہارا ذکر کروں گا اور میرا شکر ادا کرتے رہو اور ناشکری نہ کرو۔"

گویا بندۂ عاصی جب یہاں زمین پر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو ملاءِ اعلیٰ میں ربِّ کائنات اسے یاد فرماتے ہیں--- کہاں میں، کہاں یہ مقام اللہ اللہ--- یہ نصیب، اللہ اکبر، لوٹنے کی جائے ہے---اور اس سے یہ حقیقت بھی کھلی کہ اللہ کا ذکر اظہارِ تشکر اور اس سے غفلت کفرانِ نعمت کے مترادف ہے۔ مزید برآں انعاماتِ خداوندی ملاحظہ ہوں---فرماتے ہیں:

وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝

(سورۃ الاحزاب، 33–35)

"میں نے کثرت سے ذکر کرنے والے مردوں اور کثرت سے ذکر کرنے والی عورتوں کے لیے مغفرت اور اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔"

اور اب ذاکر کے وجود کی برکات کا اندازہ تو کیجیے--- رسول کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَقُوْمُ السَّاعَةَ حَتّٰى لَا يُقَالُ فِي الْاَرْضِ اَللّٰهُ اَللّٰهُ۔

(رواہ مسلم)

"حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی جب تک زمین پر اللہ اللہ کرنے والا ایک انسان بھی موجود ہوگا۔"

یعنی کارخانۂ عالم کی بقاء صرف اور صرف اللہ کے اسمِ گرامی پر منحصر ہے--- جب وقت قیامت آئے گا تو اللہ تعالیٰ اپنی حکمتِ عالیہ سے اپنا نام لینے والے آخری بندے کو بھی زمین سے اٹھا لیں گے۔ اور پھر سورج بے نور ہو جائے گا، ستارے جھڑ جائیں گے--- ارض و سماء تہہ و بالا ہو جائیں گے--- نظامِ کائنات درہم برہم ہو جائے گا اور قیامت ٹوٹ پڑے گی--- کیوں نہ ہو "اللہ بہت بڑا ہے" اور "اللہ کا ذکر بڑی شے ہے۔"

یوں تو نماز، تلاوتِ قرآن کریم اور دیگر وظائف و اوراد سب ذکر ہی کے ذیل میں آتے ہیں مگر تصوف کی اصطلاح میں ذکر سے مراد، ذکرِ اسمِ ذات لی جاتی ہے اور اس میں بھی "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللہ"، "اَللہ ھُو" اور "اللہ" کا ذکر کرایا جاتا ہے۔ ذکر کے بھی کئی طریقے مروّج ہیں--- ذکرِ جہر متوسط--- ذکرِ پاس انفاس، ذکرِ نقش اور ذکرِ خفی قلبی اور ذکرِ یادداشت --- اولیاء کاملین ابتداً مریدین کو ذکرِ جہر متوسط سے آغاز کروا کر بتدریج ذکر خفی قلبی پر لے آتے ہیں--- ذکرِ خفی کو حدیث شریف کی رو سے ذکر لسانی پر ستّر گنا فضیلت حاصل ہے۔ اس سے بھی اگلا درجہ ذکرِ یادداشت ہے کہ "ہتھ کار وَل تے دل یار وَل" کی کیفیت پیدا ہو جائے۔

ذکرِ یادداشت کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہؒ --- "اَلْقَوْلُ الْجَمِیْلُ" میں یوں فرماتے ہیں:

"یا یوں سمجھا جائے کہ ذکر یادداشت ذاتِ مقدّس کے اس دھیان و تصور کا نام ہے جو بغیر کسی الفاظ و تخیّل کے ذریعہ پیدا ہوا اور یہ دولت درجہٴ ولایت کے منتہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے۔"

حضرت مجدّد صاحب دفتر اوّل کے مکتوب 27 میں یادداشت کے متعلق یوں روشنی ڈالتے ہیں:

"یہ بلند نسبت اس حد تک اور اس طور پر ندرت و قلّت اختیار کر چکی ہے کہ اگر بالفرض اسے بزرگ سلسلہ کے لوگوں کے سامنے بیان کیا جائے تو احتمال ہے کہ اس کا انکار ہی کر جائیں اور یقین نہ کریں۔ اس کا حصول جہت جذبہ اور مقاماتِ سلوک کے بعد ہے۔"

الحمدللہ، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے راقم کو خود ذاتی طور پر ذکرِ خفی قلبی اور ذکرِ یادداشت کی خصوصی نسبت عطا کرتے ہوئے اجازت و تلقین فرمائی کہ اپنے مریدین کو پاس انفاس کی بجائے صرف یہی ذکر کرایا کروں --- کہ یہ سینکڑوں گنا قوّت بخش ثابت ہوگا --- اور اس دور میں ہر قسم کے لوگوں کی طبائع کے لیے یہ زیادہ موزوں ہے۔

روحانی نسبت کی مثال بجلی کے کنکشن کی سی ہے --- جیسے بجلی منگلا ڈیم کے پاور ہاؤس میں لاکھوں یونٹوں کے حساب سے پیدا ہوتی ہے۔ اب وہاں سے مختلف گرڈ اسٹیشنوں میں پہنچا کر ضرورت کے مطابق مختلف محلوں یا دیہات کے ٹرانسفارمروں میں منتقل کر دی جاتی ہے۔ بالفرض ایک مکان میں وائرنگ کر کے بلب اور ٹیوبیں لگا دی جائیں مگر ٹرانسفارمر کی لائنوں سے کنکشن نہ ملے اور مکان کی تاریں نہ جوڑی جائیں تو یہ مکان بجلی سے محروم ہی رہے گا۔ بعینہٖ روحانی فیض کے سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سینہ مبارک پاور ہاؤس ہے۔ اب جو سالک ترقی کرتے کرتے

دربارِ رسالتؐ میں روحانی طور پر باریابی کی سعادت حاصل کر کے دستِ اقدس پر روحانی بیعت کی نعمت سے مشرف ہو گیا --- اور حضور ﷺ نے براہِ راست یا اس کے شیخ کے وسیلہ سے اسے تلقین وارشاد کا حکم صادر فرما دیا۔ اس کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے کو گویا روحانی کنکشن نصیب ہو گیا۔ اب صبح وشام جب وہ ذکر کرے گا تو فیض کی لہر نبی کریم ﷺ کے سینۂ اقدس سے چل کر شیخ کے سینہ سے ہوتی ہوئی مرید کے لطائف تک پہنچ کر روحانی فیض پہنچانے اور انہیں منوّر کرنے کا باعث بن جائے گی۔ یہ روحانی فیض اس کے ظاہر پر بھی اثر انداز ہو گا اور وہ بتدریج اپنی استعداد کے مطابق اخذِ فیض کرتا ہوا روحانی ترقی کرتا چلا جائے گا۔

لطائف منوّر ہونے تک سارا تصوّف ہے جس سے تزکیۂ باطن کرنا مقصود ہے۔ نفسِ امّارہ پہلے لوّامہ اور پھر مطمئنہ میں بدل گیا۔ گویا ذکر کی برکت سے صفائی باطن ہوئی اور اخلاقِ رذیلہ اوصافِ حمیدہ میں تبدیل ہو گئے --- اس سے آگے مراقبات یا منازلِ سلوک کا آغاز ہوتا ہے --- سلوک سے مراد روح کا سفر ہے --- حیاتِ انسانی جسم اور روح سے عبارت ہے --- یعنی انسان میں عالمِ خلق اور عالمِ امر سمو دیا گیا ہے۔ عالمِ خلق میں تو قالب اور نفس شامل ہیں جو عناصر اربعہ خاک، آب و آتش و باد پر مشتمل ہیں اور عالمِ امر میں قلب، روح، سِر، خفی اور اخفیٰ شامل ہیں جنہیں تصوّف کی اصطلاح میں لطائف سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ عالمِ امر سے آئے، وہی ان کا وطن ہے --- اگر خوبیٔ قسمت سے کوئی مردِ کامل مل جائے تو وہ لطائف منوّر کرانے کے بعد سالک کی روح کو پکڑ کر عالمِ ناسوت سے عالمِ ملکوت (ہفت افلاک) وہاں سے عالمِ جبروت (نو عرش) اور پھر وہاں سے عالمِ امر (لامکاں) کی طرف گرمِ پرواز کرا دے گا --- جو سالک روحانی سفر کرتا ہوا عالمِ امر میں پہنچ گیا، وہ گویا

اپنے وطن میں پہنچا---اب اصل سفر تو آگے ہے اور یہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر موقوف ہے--- لطائف کے بعد مراقبات کا مرحلہ آتا ہے--- مراقبہ کے لفظی معنی انتظار، نگہبانی یا حفاظت کے ہیں۔ مگر صوفیانہ اصطلاح میں اس کا مطلب قرآنِ کریم کی کسی آیت یا کسی حدیث شریف کے مفہوم میں اس قدر تصوّر اور غور وفکر کرنا کہ انہماک ومحویت کی یہ کیفیت پیدا ہو جائے کہ دل میں کوئی دوسرا خیال نہ آنے پائے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ "القول الجمیل" صفحہ 60 پر اس سلسلہ میں یوں بیان فرماتے ہیں:

"اور ایسے تصورات کا ثبوت وسند صحیح مسلم کی وہ حدیث ہے جو حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھ سے فرمایا--- "اے علیؓ! کہو کہ خداوند مجھ کو ہدایت عطا فرما کر سیدھا راستہ چلا۔ اور ہدایت سے اپنی راہ کے چلنے کو اور راستی سے تیر کی راستی اور سیدھا پن کا تصور کرو۔"

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت علیؓ کو وہ طریقہ بتلایا جس سے بتدریج محسوسات سے حالات مطلوبہ تک انسان کی رسائی ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے مشائخ طریقت نے بھی اس قسم کے تصوّرات ومراقبات کا رواج جائز رکھا ہے۔ فقیر کمالؔ کی وضاحت یہ ہے کہ حقیقت میں مراقبہ کے دوران شیخ کی روحانی توجہ کی قوت کے مطابق سالک کی روح سیر کرتی ہوئی ہفت افلاک سے گزر کر سدرۃ المنتہٰی پر پہنچتی ہے۔ یہ بیری کا بہت وسیع درخت ہے جس کے ہر پتے پر ایک کرسی پر ایک فرشتہ موجود ہے اور سب سے بلند شاخ کی ٹیسی پر حضرت جبرائیلؑ فروکش ہیں۔ یعنی سدرۃ المنتہٰی ملائکہ کا سیکرٹریٹ ہے۔ لوحِ محفوظ سے تمام احکام یہاں پر نازل ہوتے ہیں اور پھر ڈیوٹی پر مامور فرشتے اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دربارِ اقدس تک پہنچا دیتے ہیں جہاں سے ڈیوٹی پر مامور رجال الغیب کو

جاری کیے جاتے ہیں۔ یوں یہ کارخانۂ عالم مشیتِ الٰہی کے مطابق رواں ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ سے اوپر بلندی پر مقامِ احدیّت ہے جو سفید سنگِ مرمر کی مسجد ہے۔ اس سے آگے مقامِ معیّت ہے جو سبز رنگ کی زمرّد کی مسجد ہے اور اس سے آگے مقامِ اقربیّت ہے جو سرخ یاقوت کی مسجد ہے۔ جب شیخ کی توجہ سے روح قوی ہو جائے تو کسی مقام کا خیال کرتے ہی روح ایک لمحہ میں وہاں پہنچ جاتی ہے۔ بقول حضرت جامیؒ :

تو فلندی تیرِ فکرت را بعید
نحن اقرب گفت من حبل الورید

(نَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ کہہ کر تو نے اپنے خیال کے تیر کو بہت دور پھینک دیا---یعنی بہت دور پہنچ گیا۔)

انہیں صوفیانہ اصطلاح میں مراقبۂ احدیّت، مراقبۂ معیّت اور مراقبۂ اقربیّت سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ان کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

مراقبۂ احدیّت : اس مراقبہ میں آیتِ کریمہ ”وَاِلٰهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ“ (سورۃ البقرہ، 2–163) اور ” وَحۡدَهٗ لَا شَرِیۡكَ لَهٗ “ کے مفہوم کا خیال کرے کہ میرا معبود صرف ایک اللہ ہے اور کوئی اس کا شریک نہیں۔ مجھے اس کی عبادت کرنا ہے۔ خواہشاتِ نفسانی کے بتوں کو پاش پاش کر کے صرف ذاتِ الٰہی پر تکیہ کرنا ہے۔

مراقبۂ معیّت : اس مراقبہ میں آیتِ کریمہ ”وَهُوَ مَعَكُمۡ اَیۡنَ مَا كُنۡتُمۡ“ (سورۃ الحدید، 57–4) ”تم جہاں کہیں بھی ہو وہ (اللہ) تمہارے ساتھ ہے۔“ کا دھیان کرنا ہے۔ یعنی یہ خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ ہر حال، ہر وقت اور ہر مقام پر میرے

ساتھ ہے۔ یہ مراقبہ راسخ ہو جانے سے غیر اللہ کا خوف دل سے نکل جاتا ہے اور انسان کے اعمال سنور جاتے ہیں۔ کیونکہ کسی گناہ کا خیال آتے ہی فوراً احساس ہو جاتا ہے کہ مجھے تو معیّت باری تعالیٰ حاصل ہے۔

مراقبۂ اقربیّت: اس مراقبہ میں آیتِ کریمہ "نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْد" (سورۃ قٓ، 50-16) "ہم تیری شہ رگ سے بھی قریب تر ہیں۔" --- کا دھیان کرنا ہے۔ اقرب، قرب کا انتہائی درجہ ہے یعنی اس سے بڑھ کر قرب کا تصور بھی محال ہے --- سو اس میں کیفیت یہ ہو کہ اس کی محبت کو دل میں یوں بسا لیا جائے جیسے پھول میں خوشبو بسی ہوتی ہے۔ جب محبت حال بن جائے گی تو اس کے احکام پر عمل کے لیے بے تابانہ لپکے گا اور اللہ کریم کے ساتھ تعلق کچھ یوں استوار ہو جائے گا کہ اس کا نام تو کسی کی زباں سے نکلے گا اور دل آپ کا باغ باغ ہو جائے گا۔

ع دل کھِڑ ویندا جد سُونہہ پوندی ڈھول دی آ

مراقبۂ فنا و بقا: اس مراقبہ کا وظیفہ یہ آیتِ کریمہ ہے: "کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ o وَّیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ o" (سورۃ الرحمٰن، 55-26,27)

"تمام کائنات فانی ہے اور تیرا رب کہ صاحبِ جلال و اکرام ہے باقی رہے گا۔"

پہلے حصہ میں یہ محسوس کرنا ہے کہ ساری کائنات فنا ہو چکی ہے۔ سالک خود بھی معدوم ہو گیا ہے، اندھیرا چھا گیا ہے --- اس مراقبہ کا تقاضا اور تاثیر یہ ہے کہ نفس کے تمام مطالبات فنا ہو جائیں اور خواہشاتِ نفسانی سے دل پاک ہو جائے۔ پھر دوسرے حصہ

میں تفکر کرتا ہوا محسوس کرے کہ کائنات میں جو کچھ بھی ہے وہ اسی ذاتِ اقدس کی تجلیات وانوار کا فیضان ہے اور اس کا تقاضا ہے کہ جو کچھ بھی عمل کرنا ہے وہ اللہ کی مرضی کے مطابق ہونا ہے۔ گویا سالک کی پسند اللہ کی پسند کے تابع ہو جائے۔

مراقبۂ رؤیت: اس مراقبہ میں حدیث شریف کے ٹکڑا:

اَنۡ تَعۡبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ (رواہ البخاری والمشکوٰۃ)

"عبادت ایسے کر گویا تو اللہ کو دیکھ رہا ہے۔"

اور آیتِ کریمہ اَلَمۡ یَعۡلَمۡ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی (سورۃ العلق، 96–14)

"(کیا انسان) نہیں جانتا کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔"

--- کے مفہوم میں اتنا ڈوب جائے کہ اللہ کی رؤیت دائمی حال بن جائے اور دیدارِ باری تعالیٰ نصیب ہو جائے۔

فقیر کو یہ مراقبہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عطا فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس مراقبے میں توجہ سے تیرے مرید کی روح یک دم عرش عظیم کی تمام منازل کو عبور کرتی ہوئی عالمِ امر کے پہلے دائرۂ تقرّب میں پہنچ جائے گی۔

مراقبۂ رفتار: فَفِرُّوۡۤا اِلَی اللّٰہِ (سورۃ الذّاریات، 51–50)

"اللہ کی طرف دوڑو۔"

اس مراقبہ میں روح عالمِ امر کی بلند ترین منازل کی طرف گرم پرواز ہو جاتی ہے۔ اعمال کی خوبی سے روح میں جوں جوں قوت آتی جاتی ہے توں توں روح آگے بڑھتی اور مسلسل جادہ پیما رہتی ہے۔ فقیر کو یہ مراقبہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عطا ہے۔

فنا فی اللہ اور بقاء باللہ کے بعد سالک المجزوبی کا طویل فاصلہ طے کر کے مسجد نور میں رسائی ہوتی ہے جس کے قریب دریائے رحمت موجزن ہے۔ اسے عبور کرنے کے بعد گویا سالک پہلے عرش کی ایک تہائی مسافت طے کر پایا۔ یاد رہے کہ اگرچہ عرشِ عظیم ایک ہے مگر یہ نو منازل پر مشتمل ہے۔ پہلے عرش سے آگے ایک خلاء اور پھر دوسرے عرش کا آغاز ہوتا ہے۔ ہر عرش پہلے عرش سے کہیں زیادہ وسیع و عریض ہے۔ تا آنکہ نو عرش عبور کرنے کے بعد عالمِ امر کے پہلے دائرہ مقام تقرّب میں پہنچ گیا۔ کعبہ زمین سے نویں عرش کی انتہا تک ولایت اولیاء کا ملک ہے۔ اس سے آگے ولایتِ انبیاء کا بے پایاں علاقہ ہے جس میں کوئی غیر نبی اپنے نبی کے وسیلہ اور اس کی پیروی ہی سے باریاب ہوسکتا ہے۔ یہاں سے چل کر مختلف پڑاؤ آتے ہیں جہاں دروازے بنے ہوئے ہیں---ان کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

ابوابِ تقرّب: توکّل، صبر، تسلیم، خلہ، محبت، محبیت، محبوبیت، حسبِ صرفہ، رضا، کمالاتِ نبوت، کمالاتِ رسالت، کمالاتِ اولوالعزمی، حقیقتِ نبوت، حقیقتِ رسالت، حقیقتِ اولوالعزمی، حقیقتِ صلوٰۃ، حقیقتِ کعبہ، حقیقتِ قرآن، دائرہ قیومیّت، فردیّت، قطبِ وحدت، صدیقیّت، عبدیّت--- ولایت کی یہ انتہائی منزل ہے۔ اس کے آگے کی منازلِ سلوک خاص نبوت کی منازل ہیں۔ ان میں کسی غیر نبی کا باریاب ہونا ایسا ہی ہے جیسے شاہی محل میں بادشاہ کے دوست اور خدّام ہوں۔ صحابی کو دوست اور ولی کو خادم کی حیثیت حاصل ہوتی ہے، مگر جو ولی ان منازل میں باریاب ہوتا ہے اسے اولیاء میں خصوصی امتیاز اور افتخار کی شان حاصل ہو جاتی ہے۔ اس سے آگے کی منازل کی تفصیل یوں ہے:

تفصیلِ منازل:

دائرہ قُربِ نبوّت، قُربِ رسالت، قُربِ اولوالعزمی، قُربِ محمدی، وصالِ محمدی، قُربِ الٰہی، وصالِ الٰہی، رضائے الٰہی، قُربِ رحمت، بحرِ رحمت، خزانۂ رحمت، منبعِ رحمت اور پھر بابِ حجاباتِ الوہیّت پر رسائی ہوتی ہے۔

مندرجہ بالا تمام منازل کی نشاندہی شیخ المکرّم حضرت مولانا اللہ یار خان صاحبؒ اپنی کتاب "دلائل السلوک" میں بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"ان حجابات کو طے کرنے کے لیے عمرِ نوح بھی ناکافی ہے۔ حجابات کے بعد بھی غالباً اور منازل سلوک ہوں گے مگر ابھی تک علم نہیں ہوا اور ممکن ہے اس گنہگار پر اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرما کر آگے منازل بھی طے کرا دے۔ وہ قادر کریم ہے۔ اس کی رحمت سے کوئی بعید نہیں۔ ان منازل کو طے کرنے کے لیے تین طریقے ہی ہو سکتے ہیں:

اوّل: یہ کہ عارف کی تربیت روح پُرفتوح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خود فرمائیں۔

دوم: اتباعِ نبوی کے واسطے سے براہِ راست اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات سے فیض ملے۔

سوم: جس کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یا فیضِ ربی سے تربیت مل رہی ہو، اس کی تربیت میں رہ کر کامل بن کر اس کی غیبی توجہ سے فیض حاصل کرے۔"

حضرت جیؒ کے وصال کے وقت یہ فقیر حجابات الوہیت کے ابتدائی حصہ میں گرم پرواز تھا۔ حضرت جیؒ کے وصال کے بعد اویسی طریقہ پر حضرت جیؒ اور اپنے بابا جی حافظ شیخ حاجی احمدؒ، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور حضرت خواجہ امام حسن بصریؒ سے روحانی رابطہ قائم ہوا جو ایک ماہ تک روزانہ صبح وشام ذکر کے دوران روحانی طور پر میری محفلِ ذکر میں تشریف لا کر اپنی توجہ سے نوازتے رہے۔ جب روح قوی ہو گئی تو ایک دن مجھے درمیان میں کھڑا کر کے دائیں جانب حضرت امام حسن بصریؒ اور شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور بائیں طرف بابا جی حاجی احمد ہیلانیؒ اور حضرت جیؒ کھڑے ہو گئے اور مشترکہ توجہ سے بابِ مغفرت تک پہنچا دیا۔ آگے چند مقامات حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ نے اور اس سے آگے کچھ مقامات حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت علیؓ نے طے کرائے۔ آنحضور ﷺ نے بعد ازاں کئی مقامات ذاتی توجہ سے طے کرائے --- حجاباتِ الوہیت کو طے کر کے اللہ تعالیٰ کے اسمِ مبارک ''غفور'' کی نسبت سے باب المغفرت پر رسائی ہوتی ہے جہاں سے اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنٰی کے مطابق 99 مقامات طے کر کے بیت اللہ پر پہنچتے ہیں --- بابِ حجابات سے باب المغفرت تک جتنا فاصلہ ہے اس سے ہزاروں گنا فاصلہ باب المغفرت سے بیت اللہ تک ہے۔ یہاں سے آگے تک جو منازل طے کرائی گئیں انہیں دیکھ کر محسوس ہوا کہ بیت اللہ پر رسائی تو گویا اصلی سفر کا نقطۂ آغاز تھا۔ بیت اللہ سے آگے کی منازل میں فقیر کو اللہ تعالیٰ کے فضل اور حضور رسالت مآب ﷺ کی خصوصی توجہ اور معیّت سے فیض یاب ہونے کی نعمتِ غیر مترقبہ نصیب ہوئی --- آگے کی منازل کی نشاندہی سے منع فرمایا گیا ہے --- گویا زمین کعبہ سے روحانی مسافر منزلیں مارتا ہوا بیت اللہ بالائی میں پہنچا اور وہاں سے واپس بیت اللہ زمینی پر آ گیا۔ اب اس سفر کی مسافت کا کچھ اندازہ کرنے

کے لیے حضرت مجدد صاحبؒ کا بیان ملاحظہ فرمائیے۔ حضرت موصوف مقامِ رضا کے بارے میں کہ نویں عرش کے بعد عالمِ امر کا دسواں مقام ہے، دفتر اوّل کے مکتوب 36 میں یوں نشان دہی فرماتے ہیں:

”شان یہ ہے کہ کشف و کرامت سے آگے قدم رکھا جائے اور مقامِ رضا کو حاصل کیا جائے جو مقاماتِ سلوک و جذبہ کی انتہا اور اس کا حصول بہت ہی مشکل ہے--- ہزاروں اولیاء میں سے کوئی ایک اس مقام تک پہنچتا ہے۔“

اب مقامِ رضا سے مقامِ عبدیّت، وہاں سے بابِ حجاباتِ الوہیّت اور وہاں سے باب المغفرت اور وہاں سے بیت اللہ بالائی اور وہاں سے واپس بیت اللہ زمینی تک کے فاصلہ کا تصور حساب کتاب کے احاطہ میں نہیں آ سکتا--- اگر بقول حضرت مجددؒ مقامِ رضا تک ہزاروں میں سے کوئی ایک ولی اللہ رسائی حاصل کرتا ہے تو اس سے بلند تر مقامات پر تو بہت ہی قلیل اولیائے کرامؒ کو رسائی حاصل ہوتی ہوگی۔

مقامِ رضا تک پہنچنے والے سالک کے اس مقام کی پختگی کا ظاہری نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ اپنی ذاتی پسند و ناپسند سے دست بردار ہو جائے گا---غریبی ہو، امیری ہو، صحت ہو، بیماری ہو، غمی ہو، خوشی ہو، اپنے ہر حال کو اللہ پر چھوڑ دے گا--- ہر رنگ میں مطمئن اور خوش رہے گا--- گویا کیفیت یہ ہو جائے گی کہ:

؎ اپنی مرضی کو کیا اس کی رضا میں گُم کمالؔ!
یوں کیا میں نے علاجِ گردشِ ایّام تھا

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے ”ضیاء القلوب“ صفحہ نمبر 38 میں روح کے سفر کی نشاندہی یوں فرمائی ہے:

"معلوم کرنا چاہیے کہ ان تجلّیات کی ابتدا میں سالک کے قلب پر انوار مختلف حیثیتوں سے ظاہر ہوتے ہیں اور سالک ان انوار کی طرح مجسّم نور بن کر عالمِ انوار کی سیر کرتا ہے تو سالک کو ان سے لذت نہ حاصل کرنا چاہیے اور نہ ان میں مشغول ہو اور اس کو خدا کی قدرت سمجھ کر صانع کی طرف متوجہ ہو۔ پھر انشاء اللہ تعالیٰ مرشد کی مدد سے سالک آسمان پر پہنچے گا اور آسمان کی عجیب و غریب چیزوں کا مشاہدہ کرے گا اور انبیاء و اولیاء اور فرشتوں کی روحوں سے نیاز حاصل کرے گا اور فرشتوں کو مختلف صورتوں میں دیکھے گا اور انہی کی طرح آسمان پر صعود کر کے عجیب عجیب چیزوں کا نظارہ کرے گا، اور دردِ عشق اور شوق کے ساتھ ترقی کرے گا اور پھر ارشادِ الٰہی اور مرشد کی توجہ سے عرش و کرسی پر پہنچے گا اور کرسی کو نورِ عرش سے منوّر اور آفتاب کی مانند روشن پائے گا---"

حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے روحانی سفر کی روئیداد دفتر اوّل کے مکتوب نمبر 1 میں یوں بیان فرماتے ہیں:

"پھر ایک اور عروج واقع ہوا جس میں مشائخِ عظام، آئمہ اہلِ بیت، خُلفاءِ راشدین کے مقامات اور حضرت رسالت پناہ ﷺ کا مقامِ خاص اسی طرح اپنے درجات کے مطابق تمام باقی انبیاء و رسل اور فرشتوں کے بلند ترین گروہ کے مقامات عرش سے اوپر مشہود ہوئے۔"

"انفاس العارفین" صفحہ 22 پر حضرت شاہ عبدالرحیم دہلویؒ کے روحانی سفر اور روحانی بیعت کا حال یوں لکھا ہے:

”میں اسی غیبوبیت کے دوران یکے بعد دیگرے آسمان طے کرتا ہوا ان کے اوپر پہنچا۔ مجھے آنحضرت ﷺ کی حضوری حاصل ہوئی اور آپؐ نے میری بیعت قبول فرمائی اور مجھے نفی اثبات کی تلقین فرمائی۔“

منازل بالا میں عموماً مقام اقربیت تک پہنچا کر سالک کو واپس زمین پر بیت اللہ شریف لایا جاتا ہے۔اسے مراقبۂ سیرِ کعبہ سے موسوم کیا جاتا ہے۔یہ آیتِ کریمہ:

وَالْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ o (سورۃ الحج، 22–29)

”اور بیت العتیق یعنی کعبہ شریف کا طواف کرو۔“

کا مراقبہ ہے۔اس میں روح کعبہ شریف کا طواف کرتی ہے۔یہ حضوری حج ہوتا ہے۔ بقول حضرت داتا صاحبؒ حج دو طرح کا ہوتا ہے۔ایک غیبت میں دوسرا حضور میں۔ جو مکہ معظّمہ میں ہوتا ہے وہ غیبت کا حج ہے اور جو مشاہدہ میں ہوتا ہے وہ حضور میں ہوتا ہے۔حج کا مقصد گھر کا دیدار نہیں بلکہ مشاہدۂ حق ہوتا ہے۔اس سے آگے---

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْماً o

(سورۃ الاحزاب، 33–56)

”اے ایمان والو! آپؐ پر درود اور خوب سلام بھیجو۔“

کی آیتِ کریمہ کے مطابق روضۂ اطہر کا مراقبہ کرا کے پہلے روضۂ اطہر اور پھر مسجدِ نبوی (دربارِ عام) میں باریاب کرایا جاتا ہے۔ بعد ازاں حسبِ استعداد حضور رسولِ کریم ﷺ کے دستِ اقدس پر بیعت سے مشرف کرایا جاتا ہے۔تصوّف کی اصطلاح میں اسے فنا فی الرسولؐ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ دربارِ اقدسؐ میں باریابی کے بھی کئی درجے ہیں۔اوّل یہ کہ دن رات اس کی روح وہیں مقیم رہے۔ دوم کہ صبح و شام حاضر ہو، سوم

کہ ہفتہ میں ایک بار، چہارم میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موقع پر باریابی کی اجازت ملے۔ اہلِ برزخ کے لیے میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا موقع عید کی کیفیت رکھتا ہے۔ اس روز رب العزت کی طرف سے ارض و سماوات، عرش اور بالاتر مقامات، بلکہ ساری کائنات کو آراستہ پیراستہ کرنے کا خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے۔ یہ آرائش و زیبائش دیدنی ہوتی ہے، مگر اہلِ کشف میں سے بھی چند خوش نصیبوں کو ہی یہ جلوے دکھائے جاتے ہیں۔

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ روحانی سفر کی کیا سند ہے۔ میرے نزدیک واقعۂ معراج شریف اس پر دال ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو جسدِ عنصری سمیت وراء الوراء منازل طے کر کے اللہ تعالیٰ سے ملاقات فرمائی۔ یہ ان کا عظیم معجزہ ہے--- اسی طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت میں بعض اولیائے کرامؒ کی ارواح کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جوتوں کی دھول کے صدقے یہ سفر نصیب ہوتا ہے--- اور یہ بہت بڑی کرامت ہے --- بقول حضرت امیر خسروؒ:

؎ خدا خود میر مجلس بود اندر لامکاں خسؔرو!
محمدؐ شمعِ محفل بود ، شب جائیکہ من بودم

"اے خسرو! آج رات لامکاں میں، میں بھی حاضر تھا جہاں خود اللہ تعالیٰ میرِ مجلس اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شمعِ محفل تھے۔"

حضرت امام غزالیؒ "کیمیائے سعادت" کے باب "اللہ تعالیٰ کی دنیا پر حکومت" کے بارے میں لکھتے ہیں--- چنانچہ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ---

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ط (سورۃ یونس، 10-3)

"پھر عرش (کے تخت) پر جلوہ افروز ہوا اور ہر امر کی تدبیر کرتا ہے۔"

اس کی طرف اشارہ ہے۔ یاد رکھو کہ یہ سب کچھ حقیقت ہے اور اہلِ بصیرت نے بذریعہ

کشف اس کو معلوم بھی کیا ہے اور ان کے معنی کی اصلیت کو سمجھ لیا کہ---

اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ آدَمَ علٰی صُوْرَتِہٖ (رواہ فی المشکوٰۃ)

"تحقیق اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔"

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ "**انفاس العارفین**" صفحہ 27 پر اپنے والد ماجد کا ایک کشف بیان کرتے ہیں:

"فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ مجھے مکمل بے خودی اور فنا حاصل ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ میرے فلاں بندے کو تلاش کرو۔ تلاش کیا اسے نہ پایا، بہشت میں جستجو کی نہ ملا، پس حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے خطاب فرمایا کہ جو شخص مجھ میں گم ہو گیا وہ زمین و آسمان اور جنت میں نہیں مل سکتا۔"

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اپنی کتاب "**الفتح الرّبانی**" مجلس نمبر 50 میں بیان فرماتے ہیں:

"اے راہِ آخرت کے مسافر! تو ہر وقت رہبر کے ساتھ رہ۔ یہاں تک کہ وہ تجھے پڑاؤ پر پہنچا دے۔ راستہ بھر اس کا خادم بنا رہ۔ اس کے ساتھ حُسنِ ادب کا برتاؤ رکھ اور اس کی راہ سے باہر مت ہو کہ وہ تجھے واقف کار بنا دے گا اور خدا کے قریب پہنچا دے گا---اس کے بعد تیری شرافت اور صداقت دیکھ لینے کی وجہ سے تجھ کو راستہ میں نیابت عطا کرے گا۔ یعنی تجھ کو قافلہ میں سردار اور اہلِ قافلہ کا سلطان بنا دے گا۔ پس تو قائم رہے گا۔ یہاں تک کہ تجھ کو تیرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لائے گا اور تجھ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے کر دے

گا۔ پھر آپ ﷺ کی آنکھیں تجھ سے ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ اس کے بعد آنحضور ﷺ تجھ کو قلوب، کیفیات اور معنی پر نائب بنا دیں گے۔ پس تو حق تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان سفیر اور نبی ﷺ کا حاضر باش اور خدمت گار بن جائے گا کہ کبھی مخلوق کی طرف آئے گا اور کبھی خالق کی طرف --- یہ چیز بناوٹ اور ہوس سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس سے ہوتی ہے جو سینوں میں جگہ پایا کرتی ہے اور عمل اس کی تصدیق کیا کرتا ہے۔"

مزید فرماتے ہیں:

"مشائخ دو قسم کے ہیں۔ ایک مشائخِ شریعت اور ایک مشائخِ طریقت۔ شیخِ شریعت تجھ کو مخلوق کے دروازے پر لے جائے گا اور شیخِ طریقت تجھ کو قربِ خداوندی کا راستہ بتائے گا۔"

حضرت سلطان باھوؒ اس سلسلہ میں "شمس العارفین" میں ارشاد فرماتے ہیں:

"مطلب یہ ہے کہ طالب اللہ ظاہر میں خواہ کتنا ورد و وظائف میں مشغول رہے وہ باطن میں کبھی مجلسِ محمدی ﷺ حاصل نہیں کر سکتا۔ تاوقتیکہ کوئی مرشد اس کی رہنمائی نہ کرے۔ کامل مرشد کی مدد سے ایک لحظہ میں مجلسِ محمدی ﷺ حاصل ہوتی ہے اور واصل خدا بن جاتا ہے۔"

لطیفۂ قلب سے دربارِ اقدس حضور ﷺ تک رسائی کے لیے طلبِ صادق، استعداد اور شیخ کے کمال میں اختلاف کی وجہ سے طالبین کی تکمیل کے لیے کہیں ایک روز، کہیں سترہ، کہیں چالیس روز اور کہیں چودہ سال کا عرصہ رکھا گیا ہے --- الحمد للہ

فقیر کمالؔ کے پاس چند ایسے بھی صاحبِ استعداد ساتھی آئے جنہیں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جوتوں کے صدقے ایک ہی نشست میں توجہ دے کر بابِ حجاباتِ الوہیت تک پرواز کرائی گئی اور کعبہ شریف، روضۂ اطہر اور دربارِ اقدس میں پیش کر دیے گئے۔ انہوں نے سب مقامات کا مشاہدہ کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے۔

حضرت پیرانِ پیرؒ کے مذکورہ بالا قول کے مطابق بیعت کی دو اقسام میں سے بیعت شریعت تو یہ ہے کہ کسی بزرگ سے متاثر ہو کر آپ نے بیعت (عہد) کی کہ میں اپنی زندگی اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے پر گزار دوں گا۔ اس نے کچھ وظیفہ اور ذکر بتا دیا اور بس--- عموماً آج کل مختلف خانوادوں میں یہی بیعت رائج ہے۔ رہا بیعتِ طریقت و حقیقت کا معاملہ تو یہ بہت اعلیٰ و ارفع چیز ہے۔ جہاں اس راہ پر چلانے والے شاذ ہوتے ہیں وہاں اس پر چلنے کی آرزو رکھنے والے بھی خال خال ہی ہوتے ہیں--- حقیقت میں ایسے صاحبِ عزم لوگ بہت کم ہوتے ہیں جو اس منزل کے حصول کے لیے کسی مردِ کامل کی تلاش میں سرگرداں رہنے اور کٹھن گھاٹیوں سے گزرنے کی ہمت رکھتے ہوں--- وہ صرف چند وظائف پر ہی قناعت کر لیتے ہیں اور نہیں جانتے کہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہوسکتا ہے۔

ے تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے

یوں تو اس راستہ میں کسی کا لطیفۂ قلب بھی جاری ہو جائے تو وہ اولیاء کے زمرہ میں داخل ہو جاتا ہے--- مگر لطائف کو تو سلوک میں محض ابجد کا درجہ حاصل ہے۔ طلب تو یہ ہونی چاہیے کہ قطعِ منازل کرتا ہوا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربارِ اقدسؐ میں

باریابی اور بیعت کی سعادت حاصل کرے---اولیائے کرامؒ میں اس شخص کو بھی کامل قرار نہیں دیا جا سکتا جو خود تو وہاں باریاب ہو مگر دوسروں کو وہاں لے جانے کی قوّت و اجازت سے بہرہ وَر نہ ہو--- اس سلسلہ میں حضرت سلطان باہوؒ ''عین الفقر'' صفحہ 6 پر یوں ارشاد فرماتے ہیں:

''اور یاد رکھو فقیر فنا فی اللہ اور صاحبِ حضور ہوتا ہے۔ وحدانیتِ الٰہی میں غرق کرنا اور مجلسِ محمدی ﷺ میں پہنچانا اس کے لیے کچھ مشکل نہیں بلکہ آسان ہے۔ اور صرف ذکر و فکر اور زہد و تقویٰ سے بات حاصل ہونا دشوار ہے کیونکہ مرشد کامل طالب اللہ کا ہاتھ پکڑ کر منزلِ مقصود تک پہنچا سکتا ہے۔ جس شخص کو یہ قدرت نہ ہو اسے کامل کہنا غلط ہے بلکہ وہ راہزن ہے۔''

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاَمَّا بِنِعۡمَتِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ ؈ (سورۃ الضحیٰ، 93-11)

''اور اپنے رب کی نعمت بیان کر۔''

---اور ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

عَنۡ عُمَرِ بۡنِ شُعَيۡبٍ قَالَ، قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ: اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اَنۡ يُّرٰى اَثَرُ نِعۡمَتِهٖ عَلٰى عَبۡدِهٖ

(رواہ فی المشکوٰۃ والترمذی)

''حضرت عمرؓ بن شعیب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ اس کی نعمت کا اظہار کیا جائے جو اس کے بندہ پر ہوئی۔''

اور ''اللّمعات'' شرح مشکوٰۃ میں حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ نے اس کی تشریح کے طور پر لکھا ہے:

''اس سے معلوم ہوا کہ نعمت کا چھپانا جائز نہیں۔ گویا یہ نعمت کی ناشکری ہے---اسی طرح وہ نعمت جو اللہ تعالیٰ نے بندہ پر فرمائی مثلاً علم اور فضیلت (خواہ ظاہری ہو یا باطنی) اس کا اظہار کرنا چاہیے تاکہ لوگ واقف ہو جائیں اور اس سے فائدہ اٹھائیں۔

اور وہ قرآن مجید کی آیت:

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (سورۃ البقرہ، 2–3)

''اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے اس سے خرچ کرتے ہیں''---کے مصداق میں داخل ہو جائے۔''

سو راقم ناچیز باغ حسین کمال بطور تحدیثِ نعمت عرض کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل و رحمت اور حضور ﷺ کا خصوصی کرم ناچیز کے شاملِ حال ہے۔

رب سائیں نے نبیؐ دے صدقے مینوں طاقت بخشی
سالاں تھانویں پلّاں دے وچ ہر منزل اپڑاواں
سیر کرا کے کعبے دی وت روضہ پاک پہنچا کے
انشاء اللہ نبی کریمؐ دے ہتھ وچ ہتھ پھڑاواں
جیہڑا آسی اپنا اپنا بھانڈا بھر لے جاسی
نام اللہ دے نال کمالا! پتھر دل چمکاواں

قُربِ الٰہی کی منازل پر چلتے ہوئے مختلف مراحل شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت سے گزرنا پڑتا ہے۔ بقول حضرت رومیؒ شریعت شمع ہے کہ راہ دکھاتی ہے۔

راہ پر گامزن ہونا طریقت، منزل مراد پر رسائی حقیقت ہے--- یہ کہ شریعت علم کیمیا کی طرح ہے۔ خواہ کتاب سے پڑھے یا کسی سے سیکھے اور ادویات و تانبے کو مرکب کرنا طریقت اور تانبے سے سونے کا حاصل ہو جانا حقیقت ہے--- یا یہ کہ علمِ طب پڑھنا شریعت، پرہیز و ادویات کا استعمال طریقت اور شفایابی حقیقت ہے--- الغرض شریعت علم، طریقت عمل اور حقیقت عمل کا اثر ہے--- گویا پہلے تو شریعت ہے کہ دینی احکام سے آگاہی کے لیے درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ سے کام لینا پڑتا ہے جس کے تحت ایک شخص شعائرِ اسلام ظاہری طور پر اختیار کر لے--- اگلا مرحلہ امورِ باطنی کے لیے اختیار کردہ ذرائع اور وسائل ہیں۔ یعنی ذکر و مراقبات وغیرہ، اسے طریقت سے موسوم کیا جاتا ہے--- اس سے اگلا مرحلہ حقیقت یعنی اخلاص اور حضوریٔ قلب یعنی ''عبادت ایسے کر کہ گویا تو اللہ کو دیکھ رہا ہے'' کا حاصل ہو جانا ہے اور اس سے بھی اگلا مرحلہ معرفت ہے۔ مثلاً نماز کے مسائل سے آگاہی شریعت، نماز کا قیام طریقت اور نماز میں خشوع و خضوع اور حضوریٔ قلب کی کیفیت حقیقت اور سامنے کعبہ و صاحبِ کعبہ کو دیکھنا معرفت ہے--- اور

ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ ط (سورۃ الحدید، 57–21)

''یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے۔''

کوئی اللہ والا مل جائے تو یہ تمام مراحل طے ہو سکتے ہیں۔

انسان کے حصول علم کے لیے تین ذرائع ہیں--- حواس ظاہری، وہم و عقل اور نورِ بصیرت--- حواس ظاہری سے حاصل کیا جانے والا علم احساس و مشاہدہ پر مبنی ہے اور عقل و وہم سے حاصل ہونے والا علم معلوم سے مجہول کی طرف انتقال کے طریقہ پر ہوتا ہے اور نورِ بصیرت سے حاصل ہونے والے علم کا ذریعہ غیب سے تلقی

روحانی ہے--- وحی تحدیث و تفہیم، فراست، ذوق، معرفت، علم لدنی، کشف والہام اور وجدان، تلقی روحانی کی مختلف صورتیں ہیں۔ تصوّف وسلوک میں وحی جلی کے سوا تلقی عن الغیب کی تمام اقسام کشف والہام سے موسوم کی جاتی ہیں۔ وحی جلی تو حضور ﷺ کے ساتھ ہی منقطع ہو گئی--- مگر کشف والہام باقی رہ گیا جو حضور ﷺ کے ان متبعین کو نصیب ہوتا ہے جنہیں خوبیٔ قسمت سے کسی مردِ کامل کے وسیلہ سے حضور ﷺ کی روحانی نسبت عطا ہو جائے اور قلبِ سلیم کی دولت میسر آ جائے--- کیونکہ قلبِ سلیم کے حواس بیدار ہوتے ہیں تو وہ ان کے ذریعے علومِ باطنی کا ادراک کرتا ہے ---"تفسیرِ کبیر" میں حضرت امام رازیؒ فرماتے ہیں:

"مکاشفات کا دروازہ اللہ کے ان خاص بندوں پر کھلتا ہے جن کو شیخ کامل میسر آ جائے۔ طلبِ صادق اور عزم واستعداد ہو۔"

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

"یعنی کشف کا دروازہ اس کے لیے کھلتا ہے جو تقویٰ کے وصف کے ساتھ ذکرِ الٰہی پر مواضبت اختیار کرے۔"

موصوف مثال دیتے ہیں کہ ایک حوض میں نالیوں کے ذریعے باہر سے پانی آ رہا ہے۔ یہ ظاہری علوم ہیں--- اس کی تہہ میں ایک سوتا ہے جس سے فوارہ کی طرح پانی اچھلتا ہے۔ یہ علمِ باطن ہے--- یہی علم ہے جس کو علمِ لدنی، کشف اور علمِ غیبی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

حضرت غوث الاعظمؒ "الفتح الرّبانی" وعظ 19 میں فرماتے ہیں:

"جس شخص کا ایمان قوی ہو جاتا اور یقین جم جاتا ہے وہ قیامت کے معاملات جن کی حق تعالیٰ نے خبر دی ہے، قلب کی آنکھ سے

دیکھتا ہے--- وہ دیکھتا ہے کہ جنت اور دوزخ کو--- وہ دیکھتا ہے صور کو اور اس فرشتہ کو جو اس پر تعینات ہے--- وہ دیکھتا ہے تمام چیزوں کو جیسی کہ وہ حقیقت میں ہیں۔"

حضرت امام غزالیؒ "اَلْمُنْقِذُ مِنَ الضَّلَالُ" میں لکھتے ہیں:

"طریقِ سلوک کی ابتداء ہی سے مشاہدات و مکاشفات شروع ہو جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ سالکین بیداری میں انبیاء کی ارواح اور ملائکہ کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ ان کا کلام سنتے ہیں اور ان سے فوائد حاصل کرتے ہیں۔"

کشف کی صداقت کی مثال اس حدیث شریف سے واضح تر ہو جاتی ہے:

عَنْ حَارِثِ بْنُ مَالِكِ الاَنْصَارِیْ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ اِنَّهٗ مَرَّ بِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهٗ كَیْفَ اَصْبَحْتَ یَا حَارِثُ قَالَ اَصْبَحْتُ مُؤمِناً حَقّاً قَالَ: اُنْظُرْ مَا تَقُوْلُ فَاِنَّ لِكُلِّ شَیْئٍ حَقِیْقَتٌ فَمَا حَقِیْقَةُ اِیْمَانِكَ فَقَالَ عَزَمْتُ نَفْسِیْ عَنِ الدُّنْیَا وَ اَهْلِهَا فَاَسْهَرْتُ لَیْلِیْ وَاَظْمَاتُ نَهَارِیْ وَ كَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی عَرْشِ رَبِّیْ بَارِزاً وَ كَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی اَهْلِ الْجَنَّةِ یَتَزَاوَرُوْنَ فِیْهَا وَ كَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی اَهْلِ النَّارِ یَتَضَاغُوْنَ فِیْهَا. فَقَالَ عَبْدٌ نَوَّرَ اللهُ قَلْبَهٗ

"حارثؓ بن مالک انصاری فرماتے ہیں کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے گزرا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے حارث کیا حال ہے؟ میں نے عرض کیا حقیقی مومن ہوں۔ فرمایا سوچو تو سہی، ہر شے کی حقیقت ہوتی ہے۔ تمہارے ایمان کی کیا حقیقت

ہے؟ تو حارثؓ نے کہا کہ میرے ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ میرا نفس دنیا سے منہ موڑ چکا ہے۔ مکاسبِ دنیا میں مخلوق پر نگاہ نہیں۔ رات کو رب کو یاد کرتا ہوں، دن کو روزہ رکھتا ہوں۔ (کشف کی) حالت یہ ہے کہ گویا عرشِ الٰہی کو ظاہر باہر دیکھتا ہوں۔ اہلِ جنت کو دیکھتا ہوں کہ ایک دوسرے سے ملاقات کر رہے ہیں اور اہلِ دوزخ کو چیختا ہوا دیکھتا ہوں تو حضورؐ نے فرمایا کہ یہ ایسا بندہ ہے جس کے دل کو اللہ تعالیٰ نے منوّر کر دیا ہے۔"

یاد رہے کہ کشف و الہام اللہ تعالیٰ کا اپنے خاص بندوں پر خاص انعام ہے ---مگر اس کا حصول مقصود نہیں۔ صوفی و سالک کے نزدیک اصلی مقصد اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ذریعہ اصلاحِ نفس، تزکیۂ باطن اور تعمیرِ سیرت اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہے۔ مگر اس راہ پر چلتے ہوئے بعض اوقات جو مشاہدات و مکاشفات ہوتے ہیں وہ دلیل و ثبوت کا کام دیتے اور یقین میں اضافے کا باعث بن جاتے ہیں ---لیکن بسا اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ بلند منازل والے سالک کو کچھ بھی نظر نہ آئے اور کسی نو وارد کو مشاہدات کی دولت سے نواز دیا جائے۔ سو جنہیں مشاہدہ نہ ہو انہیں اپنے شیخ پر یقین و اعتماد کر لینا چاہیے یا اپنے صاحبِ کشف ساتھیوں کی بتائی ہوئی حالت کو تسلیم کر لے۔ بدگمان نہ ہو کہ شیخ تو کہتے ہیں کہ تمہیں سیرِ کعبہ کا مراقبہ کرا کر تمہاری روح کو کعبہ شریف پہنچا دیا گیا ہے لیکن مجھے تو کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ کیونکہ اس راہ میں بدگمانی مانعِ فیض بن جاتی ہے۔

کشف میں یہ احتیاط ملحوظ رہے کہ بعض اوقات ابلیس بھی کوئی منظر دکھا دیتا ہے۔ اس لیے اگر قرآن و سنت کے منافی ہو تو مردود ہے---مزید برآں کشفِ صحیح کی ایک پہچان یہ بھی ہے کہ اسمِ ذات اللہ کی ضرب لگائی جائے یا کلمہ طیبہ، "بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ" یا "لَا حَوۡلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الۡعَلِیِّ الۡعَظِیۡمِ" یا درود شریف

پڑھ کر دَم کیا جائے۔ اگر صحیح ہے تو برقرار رہے گا اور اگر باطل ہے تو غائب ہو جائے گا --- البتہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، کعبہ شریف، روضۂ اطہر اور قرآن کریم کا روپ اختیار کرنا ابلیس کے بس کا روگ نہیں۔ اگر کشف یا خواب میں مذکورہ اشیاء کو دیکھا تو یہ حق ہے --- اور خوش نصیبی ہے۔

یاد رہے کہ کافر و بدکار کو کشف نہیں ہوسکتا۔ جوگیوں اور عاملوں کو بھوک اور ریاضت سے کچھ صفائی نفس نصیب ہوتی ہے جس سے انہیں کچھ دنیوی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں --- ان کے لیے اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہے:

لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ (سورۃ الاعراف، 7-40)

"ان کے لیے آسمانوں کے دروازے نہیں کھولے جاتے۔"

فقیر کا سلسلہ اویسیہ ہے اور یہ سلسلہ اپنے اندر بے پناہ قوّت کا حامل ہوتا ہے --- یوں سمجھ لیجیے کہ اس سے منسلک سالک کو خوبیٔ قسمت سے پیدل یا سائیکل پر سفر کرنے کی بجائے ہوائی جہاز کی سواری میسر آ جائے اور بالائی منازل میں جہاز کی بجائے راکٹ سے منازل طے کرنے کی سبیل پیدا ہو جائے --- مجھے اپنے والد صاحب نے ظاہری طور پر سلسلہ قادریہ وقلندریہ کی نسبت عطا کی تھی۔ مزید برآں میرے ظاہری شیخ حضرت مولانا اللہ یار خانؒ ہیں کہ ان کا سلسلہ بھی اویسیہ تھا اور وہ اپنے ظاہری شیخ حضرت مولانا عبدالرحیمؒ ساکن لنگر مخدوم سے تربیت پانے کے بعد بہت سے مشائخ اہلِ برزخ سے روحانی طور پر کسبِ فیض کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مستفیض ہوئے تھے۔ اسی طرح حضرت شیخؒ کے وصال کے بعد راقم کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جوتوں کے صدقے بہت سے انبیاء کرامؑ، صحابہ کرامؓ اور اولیائے کرامؒ سے روحانی طور پر فیضیاب ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے اور روحانی تربیت کی تکمیل حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتی توجہ کی مرہونِ منت ہے۔

سلسلہ اویسیہ سے مراد یہ ہے کہ جس طرح حضرت اویس قرنیؒ نے حضور نبی کریمؐ سے ظاہری ملاقات کی سعادت حاصل کرنے سے محروم رہنے کے باوجود آپؐ کی روحِ پُرفتوح سے اخذ فیض کیا۔ اسی طرح اولیاء برزخ میں سے کسی ایک یا زیادہ مشائخ سے فیض حاصل کرنے کو اویسیہ طریقہ سے موسوم کیا جاتا ہے--- اس سلسلہ کے سردار حضرت اویس قرنیؒ ہیں اور جس کسی کو بھی اس طریقہ سے کسی بزرگ سے فیض نصیب ہو گا گویا وہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ سے منسلک ہو گا۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ "**ھمعات**" صفحہ 21 پر فرماتے ہیں:

"حاصل کلام مشائخ عظام میں ایک سلسلہ اویسیہ بھی ہے کہ اکثر بزرگ اس سے متعلق تھے اور ان کے سلسلہ کے سردار خواجہ اویس قرنیؒ ہیں کہ حُبِ باطنی سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تربیت حاصل کی۔"

"**ھمعات**" ہی میں صفحہ 86 پر مزید لکھتے ہیں:

"اور اگرچہ اس طریقہ میں تسلسل خرقہ متصل ہے۔ لیکن اخذ نسبت کا تسلسل اس طریقہ میں متصل نہیں ہے۔ ایک بار سلسلہ ظاہر ہوتا ہے اس کے بعد مفقود ہو جاتا ہے۔ پھر اویسی طریق سے کسی کے باطن سے ظاہر ہوتا ہے--- درحقیقت یہ طریقہ تمام تر اویسیہ ہے اور اس طریق کے متوسلین روحانیوں میں بڑی عظمت وہیبت کے مالک ہوتے ہیں۔"

گویا حضرت امام الہندؒ کے ارشاد سے ثابت ہوا کہ اس سلسلہ عالیہ کے متوسلین بڑی عظمت اور ہیبت کے مالک ہوتے ہیں۔ صاحبِ موصوف نے اپنی روحانی بیعت کا حال "**الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ**" میں یوں درج کیا ہے:

"حضور ﷺ نے مسکراتے ہوئے مراقبہ سے سر مبارک اٹھایا اور اپنے دونوں مبارک ہاتھوں سے میری طرف مصافحہ اور بیعت کا اشارہ فرمایا --- یہ فقیر اٹھا اور اپنے دونوں زانو حضور ﷺ کے زانوؤں کے ساتھ ملائے اور اپنے دونوں ہاتھ حضور ﷺ کے مبارک ہاتھوں کے درمیان رکھے اور بیعت کی۔"

مزید برآں "الفوز الکبیر" صفحہ 76 میں اپنا اویسی ہونا یوں بیان فرماتے ہیں:

"اگر سچ پوچھو تو میں تعلیم قرآن میں اویسی ہوں کہ میں نے روحِ رسولِ کریم ﷺ سے بلا واسطہ قرآنِ مجید پڑھا جیسے فیضِ باطن حاصل کیا۔"

مزید برآں "القول الجمیل" میں اپنے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیمؒ کے متعلق لکھتے ہیں:

"مصنف کے والد بزرگوار نے باطنی طور پر بذریعہ خواب بھی حضور اکرم ﷺ سے بھی استفاضہ اور بیعت حاصل کی ہے۔ اور حضور ﷺ نے آپ کو نفی اثبات کی تعلیم دی۔ نیز حضرت زکریاؑ سے بھی ادب آموزی کا شرف حاصل ہے کہ انہوں نے اسمِ ذات کی تعلیم فرمائی تھی --- اس کے علاوہ آئمہ طریقت کی ارواح سے بھی آپ نے اکتسابِ فیض فرمایا ہے۔ جن میں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ، خواجہ معین الدین چشتیؒ جیسی ہستیاں شامل ہیں۔ ان کو آپؒ نے خواب میں دیکھا اور ان سے اجازت حاصل فرمائی۔"

حضرت مجدد الف ثانیؒ اویسیہ کے بارے میں دفتر سوم کے مکتوب 121 میں یوں ارشاد فرماتے ہیں:

”مخدوم! اویسی کہنے کا مطلب ظاہری پیری سے انکار نہیں ہے کیونکہ اویسی وہ شخص ہے جس کی تربیت میں روحانیوں کو دخل ہو۔ حضرت خواجہ احرارؒ باوجود ظاہری پیر کے چونکہ حضرت خواجہ نقشبندؒ سے امداد پاتے تھے لہٰذا اپنے آپ کو اویسی کہتے تھے۔“

اپنے بارے میں دفتر سوم ہی کے مکتوب 87 میں لکھتے ہیں:

”میں اللہ تعالیٰ کا مرید بھی ہوں اور اللہ تعالیٰ کا مُراد بھی --- میری ارادت کا سلسلہ بلا واسطہ اللہ تعالیٰ سے متّصل ہے اور میرا ہاتھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کے قائم مقام ہے --- اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے میری ارادت بہت سے واسطوں سے ہے۔ طریقہ نقشبندیہ میں 21 واسطے ہیں۔ قادریہ میں 25، چشتیہ میں 27 اور میری اللہ تعالیٰ سے جو ارادت ہے وہ واسطے قبول نہیں کرتی۔ میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا مرید بھی ہوں اور ان کا متبع اور ہم پیر بھی --- اس دولت کے دسترخوان پر اگرچہ میں طفیلی ہوں لیکن بن بلائے نہیں آیا۔ اگرچہ میں اُمتی ہوں لیکن دولت میں شریک ہوں۔ اگرچہ میں اویسی ہوں لیکن میں اپنا حاضر ناظر مربی رکھتا ہوں۔ اگرچہ طریقہ نقشبندیہ میں میرا پیر عبدالباقیؒ ہے لیکن میری تربیت کا کفیل خود اللہ باقی ہے --- میری تربیت اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہوئی ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کا پروردہ ہوں --- اپنے

کمال کرم سے اور اس غیرت کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ میرے حق میں رکھتا ہے، جائز نہیں رکھا کہ میری تربیت میں کسی دوسرے کے فعل کا کوئی دخل ہو یا اس معنی میں دوسروں کی طرف متوجہ ہوں --- میں اللہ تعالیٰ کا پروردہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم لامتناہی کا مجتبیٰ۔"......(با کریماں کارہا دشوار نیست)۔

مکتوب 123 دفتر سوم میں مزید فرمایا:

"وہ راہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچانے والے ہیں، دو ہیں۔ایک وہ راہ ہے جو قُربِ نبوّت سے تعلق رکھتی ہے۔اصل الاصل تک پہنچانے والی ہے۔اس راہ سے واصل ہونے والے اصل میں تو انبیاء ہیں اور ان کے صحابہ اور باقی امتیوں میں سے جس کو بھی اس دولت سے نوازیں۔اگر چہ وہ تھوڑے ہوتے ہیں--- بلکہ بہت ہی تھوڑے ہوتے ہیں--- اور اس راہ میں توسط اور حیلولہ نہیں۔جو بھی ان واصلین میں سے فیض حاصل کرتا ہے وہ بغیر کسی وسیلے کے اصل سے حاصل کرتا ہے۔اور کوئی بھی دوسرے کی راہ میں حائل نہیں ہوتا--- اور ایک وہ جو قُربِ ولایت سے تعلق رکھتی ہے۔اقطاب واوتاد اور تمام اولیاء اسی راہ سے واصل ہیں اور راہِ سلوک اسی سے عبارت ہے اور اس راہ میں حیلولہ اور توسط ثابت ہے۔"

حضرت مجدد صاحبؒ کو روحانی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی اجازت نامہ حاصل کرنے کا شرف حاصل ہوا--- تفصیل دفتر سوم کے مکتوب 106 میں انہی کی زبانی سنیے:

”چونکہ رات کی کوفت باقی تھی کہ سو گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ حضور ﷺ نے فقیر کے لیے اجازت نامہ لکھا ہے جیسے مشائخ خلفاء کے لیے اجازت نامہ لکھتے ہیں--- اور میں اس وقت ایسا محسوس کرتا ہوں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک جگہ میں رہتا ہوں اور بیٹے کی طرح اپنے باپ کے ساتھ زندگی گزار رہا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ اور ان کے اہلِ بیت میرے لیے اجنبی نہیں ہیں اور میں نے اس کاغذ کو لپیٹ کر اپنے ہاتھ میں پکڑ رکھا ہے اور فرزندانِ محرم کی طرح میں بھی ان کے حرم شریف میں داخل ہو گیا ہوں--- امہات المؤمنین میں سے سب سے بڑی ماں نے رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں مجھے بعض خدمات کے اہتمام کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہمیں تمہارا انتظار تھا--- اس طرح کرنا چاہیے--- اور اس وقت میں خواب سے بیدار ہو گیا۔“

اکابرین کے مندرجہ بالا بیانات سے ثابت ہوا کہ بعض اولیائے کرامؒ کو اپنے ظاہری پیر کے علاوہ بھی روحانی طور پر اکابر اولیائے کرامؒ اور حضور ﷺ سے مستفیض ہونے کی سعادت حاصل ہوتی رہی ہے۔

سلسلہ اویسیہ میں اخذِ فیض اور اجراءِ فیض دونوں صورتیں ہو سکتی ہیں۔ یعنی اپنے سے اونچے والے سے فیض لینا اور اپنے سے نیچے والے کو فیض دینا--- فیض سے مراد یہ ہے کہ منازل سلوک میں اپنے سے اوپر والا اگلی منازل میں ساتھ لے جائے۔ مثلاً کوئی پہلے عرش میں ہے تو اسے پکڑ کر اگلے عرشوں میں لے جائے۔ یعنی عالم دنیا والا عالم برزخ کے ولی سے اخذِ فیض کر کے ترقی کر سکتا ہے--- اسی طرح اگر اس کی منازل اونچی ہیں تو وہ اپنے سے کم منزل والے اہلِ برزخ کو توجہ دے کر بلند

منازل پر پہنچا سکتا ہے--- اور اگر کوئی اہلِ برزخ تکلیف میں ہو تو روحانی توجہ سے اس کی تکلیف کا ازالہ کر سکتا ہے--- اس سلسلہ میں حضرت مجدد صاحبؒ کا بیان دفترِ اوّل کے مکتوب 11 میں یوں درج ہے:

> "دوسری گزارش یہ ہے کہ بعض فوت شدگان جو عالم برزخ سے تعلق رکھتے ہیں کے حالات بھی ظاہر ہوئے۔ ان کے آلام و شدائد رفع کرنے پر توجہ دی گئی۔"

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشاد کے مطابق قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔ گویا انسان کو موت کے بعد عقائد و اعمال دنیا کے مطابق برزخ میں ایک گھر الاٹ کر دیا جاتا ہے۔ اگر نجات یافتہ ہے تو اس کے اعمال کے درجہ کے مطابق یہ گھر تنگ، فراخ یا آراستہ ہوگا، کسی کا جھونپڑا، کسی کا بنگلہ اور کسی کا محل--- دنیا میں کسی مردِ کامل کی راہنمائی میں تصوف و سلوک کی طے کردہ منازل کے مطابق اس کی روح قبر میں پہنچ کر اپنے اس گھر سے اس منزل تک ہر کہیں آ جا سکتی ہے۔ مثلاً وفات سے پہلے اسے روحانی طور پر کعبہ شریف اور روضۂ اطہر پر رسائی کی نعمت حاصل ہے تو بعد وفات بھی اس کی روح ان مقاماتِ مقدسہ تک آنے جانے میں آزاد ہوگی، اور اگر دنیا میں یہ سعادت حاصل نہ کر سکا تو پھر روح اپنے گھر سے باہر نکل کر سیر کرنے سے قاصر رہے گی--- اس لیے اس نعمت کے حصول کے لیے اولیائے کرامؒ ملکوں ملکوں کی خاک چھان کر شیخ کامل سے اخذِ فیض کے لیے سرگرداں رہے۔

عموماً پوچھا جاتا ہے کہ ایک دفعہ بیعت کے بعد دوسری بیعت کی جا سکتی ہے؟ اس ضمن میں یہ حقیقت پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ بیعت کا مقصد روحانی تعلیم حاصل

کرنا ہے۔ اگر ایک پیر نے لطائف کرائے یا نہیں کرا سکتا یا آگے روحانی منازل طے نہیں کرا سکتا اور آپ کو معلوم ہو گیا کہ فلاں صاحب آگے منازل طے کرا سکتے ہیں تو اگر آپ کی طلب صادق ہے تو دوسری جگہ بیعت ضرور کرنا چاہیے تاکہ اگلے درجے کی تعلیم حاصل کر سکیں۔ اور اگر مزید طلب نہ ہو تو دوسری جگہ جانا بے سود ہے۔ اکابر اولیائے کرامؒ کئی بزرگوں سے اخذِ فیض کرتے رہے۔ مثلاً حضرت مجدد الف ثانیؒ نے پہلے اپنے والد ماجد کی سلسلہ چشتیہ میں بیعت کی اور خلافت پائی۔ ان کی وفات کے بعد حضرت شاہ کتھیلیؒ کی سلسلہ قادریہ میں بیعت کی اور خلافت حاصل کی۔ بعد ازاں سلسلہ نقشبندیہ کے بزرگ حضرت خواجہ محمد باقیؒ باللہ کی بھی بیعت کی اور خلیفہ بنے ---اسی طرح حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے میاں جیو شاہ نُور محمد جھنجھانویؒ اور حضرت مجاہدین نصیر الدین دہلویؒ سے بیعت اور دونوں سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ اور حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ نے اپنے ماموں سید فضل دینؒ اور حضرت شمس الدین سیالویؒ اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکّیؒ کی بیعت کی اور خلافت پائی ---سو اگر مذکورہ بالا حضرات مزید کسبِ فیض کے لیے مزید مشائخ سے بیعت کر سکتے ہیں تو ایک عامی کو اس سے اجتناب نہیں کرنا چاہیے۔

صوفیاء میں وحدت الوجود (ہمہ اوست) اور وحدت الشہود کی دو اصطلاحیں بہت معروف ہیں--- علماء ظاہر کے نزدیک توحید کے یہ معنی ہیں کہ ایک خدا کے سوا کوئی اور خدا نہیں۔ نہ خدا کی ذات وصفات میں کوئی اور شریک ہے۔ لیکن تصوف کی لغت میں اس لفظ کے معنی بدل جاتے ہیں بعض حضرات صوفیاء کے نزدیک توحید کے یہ معنی ہیں کہ خدا کے سوا کوئی اور چیز عالم میں موجود ہی نہیں یا کہ جو کچھ موجود ہے سب خدا ہی ہے۔ اسی کو ''ہمہ اوست'' کہا جاتا ہے۔ یہ مسئلہ اگرچہ تصوف کا اصولِ موضوعہ

ہے لیکن اس کی تعبیر اس قدر نازک ہے کہ ذرا سا بھی انحراف ہو تو یہ بالکل الحاد سے مل جاتا ہے---اس لیے عامی کو اس میں نہیں پڑنا چاہیے۔

صوفیاء اور اہلِ ظاہر کا پہلا امتیازی اختلاف یہ ہے کہ اہلِ ظاہر کے نزدیک خدا سلسلہ کائنات سے بالکل الگ ایک جداگانہ ذات ہے۔ مگر صوفیاء کے نزدیک خدا سلسلہ کائنات سے الگ نہیں---اس قدر تو تمام صوفیاء کے نزدیک مسلّم ہے مگر اس کی تعبیر میں اختلاف ہے۔ ایک فریق کے نزدیک خدا وجودِ مطلق اور ہستیٔ مطلق کا نام ہے---یہ وجود جب تشخیصات وتعینات کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے تو ممکنات کے اقسام پیدا ہوتے ہیں۔ جیسے حباب اور موج مختلف ذاتیں خیال کی جاتی ہیں لیکن پانی کے سوا کچھ نہیں۔

گفتم از وحدت و کثرت سخنے گوئی بہ رمز
گفت موج و کف و گرداب ہمانا دریاست
باوحدت حق زکثرت خلق چہ باک
صد جا اگر گرہ زنی رشتہ یکیست

(یعنی دھاگے میں جو گرہیں لگائی گئی ہیں ان کا وجود اگرچہ دھاگے سے الگ نظر آرہا ہے لیکن حقیقت میں دھاگے کے سوا کوئی زائد چیز نہیں۔ صرف صورت بدل گئی ہے۔)

دوسرے گروہ نے وحدت وجود کے یہ معنی قرار دیے ہیں کہ آدمی کا سایہ اگرچہ بظاہر ایک جدا چیز معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقتاً اس کا کوئی وجود نہیں۔ جو کچھ ہے آدمی ہی ہے۔ اسی طرح ذاتِ باری تعالیٰ موجود ہے اور ممکنات ومخلوقات جس قدر بھی موجود ہیں سب اسی کے اظلال اور پرتو ہیں---اس کو توحیدِ شہودی کہتے ہیں۔

وحدتِ وجود اور وحدتِ شہود میں فرق یہ ہے کہ وحدتِ وجود کے لحاظ سے ہر چیز کو خدا کہہ سکتے ہیں جیسے حباب اور موج کو پانی بھی کہہ سکتے ہیں۔ لیکن وحدتِ شہود میں یہ اطلاق درست نہیں۔ کیونکہ انسان کے سایہ کو انسان نہیں کہہ سکتے۔

فقیر نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی ان ہر دو نظریات کی حقیقت مجھ پر ظاہر فرمائی جائے۔ چنانچہ مراقبہ میں مجھ پر منکشف ہوا کہ اللہ تعالیٰ تمام موجودات کا خالق ہے اور ہر تخلیق اس کی صفتِ رحمت کی آئینہ دار ہے۔ خالق اور مخلوق کے درمیان یہ نسبتِ رحمت ہر شے سے انوار کی صورت میں ہر آن ظہور پذیر ہو رہی ہے--- جیسے سورج کی روشنی شیشے (ہر شے) سے منعکس ہو رہی ہو۔ علاوہ ازیں ہر شے اللہ اللہ پکار رہی ہے اور آسمان کی طرف تکے جا رہی ہے--- جیسے ایک اللہ کی شہادت دے رہی ہو۔

میرے حضرت جیؒ نے 18 رفروری 1984ء کو انتقال فرمایا اور 19 رفروری کو غروبِ آفتاب سے نصف گھنٹہ قبل آسودۂ خاک ہوئے۔ قبر شریف پر مٹی ڈال کر سب ساتھیوں نے ایصالِ ثواب کے لیے ہاتھ اٹھائے تو اس ناچیز نے دس لاکھ درود شریف کا ثواب نذر کیا--- دنیا سے رخصت ہونے کے فوراً بعد اس فقیر کی جانب سے یہ گراں قدر تحفہ رنگ لایا اور بارہویں روز نمازِ مغرب کے بعد ذکر کے دوران حضرت جیؒ روحانی طور پر میری محفلِ ذکر میں تشریف لائے۔ ساتھ ایک بزرگ اور بھی تھے---تعارف کرایا۔ یہ تمہارے چکوال والے بابا جی حضرت حافظ شیخ حاجی احمدؒ ہیں۔ بابا جیؒ کے بارے میں خاندانی روایات اور اپنی بصیرت کے تحت یہ تو جانتا تھا کہ اونچی ہستی ہیں--- ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے سات قرآن کریم ہمارے خاندان کا عظیم ورثہ ہیں۔ مگر یہ معلوم نہ تھا کہ یہ اتنی اعلیٰ روحانی منازل و منصب کے حامل ہیں --- حضرت جیؒ نے فرمایا--- ولایت کی گیارہ شاخیں ہیں (1) تصوف و سلوک

(2) قلندری (3) مسخّرات (4) مستجاب الدعوات (5) خدمتِ خلق (6) شفقت برمخلوق (7) مغفرت (8) شہادت (9) تحدیث (کلام) باری تعالیٰ (10) رویتِ باری تعالیٰ (11) محبت۔

ان میں سے ان کے پاس کافی شاخیں تھیں۔ان سے بے شمار جنات نے قرآنِ کریم کا فیض اٹھایا ---جیسی دعا تم نے درود شریف کے لیے مانگی ویسی ہی انہوں نے قرآن کریم کے لیے مانگی تھی --- جیسے تمہاری دعا قبول کی گئی ویسے ہی ان کی دعا کو بھی شرفِ قبولیت بخشا گیا --- انہوں نے تنہا ایک لاکھ سے زیادہ قرآنِ کریم ختم کیا تھا۔یاد رہے کہ ایک لاکھ قرآنِ کریم ختم کرنے کے لیے بلاناغہ روزانہ کم ازکم تین ختم ہوں تو مسلسل 94 سال درکار ہیں۔مزید برآں انہوں نے ایک قرآنِ کریم اس انداز سے لکھا کہ ہر آیت کے بدلہ میں پہلے ایک قرآن ختم کیا۔یعنی 6666 قرآنِ کریم ختم کرنے کے بعد پورا قرآنِ مجید لکھا --- اور اس انداز سے قرآنِ کریم لکھنے کی کسی کو بھی سعادت نصیب نہیں ہوئی --- یہ قرآنِ کریم انہوں نے روحانی طور پر حضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں بطور ہدیہ پیش کیا --- ان دونوں امور کے تحت انہیں دربارِ اقدسؐ میں خصوصی تکریم حاصل ہے۔(اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے یہ نادر قرآنِ کریم فقیر کے پاس موجود ہے)۔

باباجیؒ نے فرمایا --- میں اویسی ہوں اور میں نے بتدریج شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، خواجہ امام حسن بصریؒ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضور ﷺ سے کسبِ فیض کیا ہے۔اپنی زندگی میں تمام اولاد میں سے کسی کو بھی اس اہل نہ پایا --- اب وصال کے سو سال بعد بیٹی کی طرف سے پانچویں پشت میں تم اس قابل نظر آتے ہو۔اس لیے یہ روحانی وراثت اویسی طریقہ پر تمہیں منتقل کر رہا ہوں۔صاحبِ موصوف نے میرے

والد صاحب کی طرف سے پانچویں پشت میں جدِامجد حضرت حافظ خان محمد صاحبؒ کے بارے میں نشان دہی فرمائی کہ وہ میرے پیر بھائی اور استاد بھائی ہیں۔ہم دونوں نے میرے دادا حضرت حافظ فتح نورؒ سے نسبت حاصل کی اور میرے چچا حافظ محمد امین صاحبؒ سے قرأت سیکھی --- درس کے دوران ایک دن میری زبان سے نکلا، میری خواہش ہے کہ میں زندگی میں ایک لاکھ قرآن ختم کروں، یہی خواہش انہوں نے بھی اپنالی۔اور پھر ہم دونوں نے کمرِ ہمت باندھ لی --- اور پھر اللہ تعالیٰ کے فضل ورحمت سے ہم دونوں نے اپنے اپنے طور پر ایک لاکھ سے زیادہ قرآنِ کریم ختم کرنے کا شرف حاصل کرلیا --- انہیں بھی میرے والی اویسیہ نسبت عطا ہوئی تھی۔تمہیں یہ بھی اویسی طریق پر اپنی نسبت عطا کررہے ہیں --- ان باباجیؒ کی کرامات کے قصے بھی سنتا رہتا تھا اور ان کی قبر شریف پر حاضری بھی وقتاً فوقتاً دیتا رہتا تھا --- مگر سچی بات یہ ہے کہ میں ان کے علوِمرتبت کا اندازہ نہیں کرسکا تھا۔اتنے میں صاحبِ موصوف بھی تشریف لے آئے --- انہوں نے فرمایا۔''میری نسبت تمہیں ظاہری طور پر بھی حاصل ہے۔یہ نسبت میں نے اپنے بیٹے عالم دین کو ظاہری طور پر منتقل کی۔اس نے اپنے بیٹے بہاؤالدین کو اور اس نے اپنے بیٹے حسن الدین اور اس نے تمہیں ظاہری طور پر منتقل کی۔'' میں حیرت سے سب کچھ سن رہا تھا --- میں نے عرض کیا --- مگر والد صاحبؒ نے تو مجھے اس سلسلہ میں کچھ نہیں بتایا تھا --- اتنے میں والد صاحبؒ بھی ظاہر ہوگئے --- گویا یہیں بیٹھے تھے۔فرمانے لگے۔''یاد کرو بچپن میں تم تقریباً چھ سال کی عمر کے تھے کہ ایک روز میں نے تمہیں بتایا تھا کہ حضور ﷺ ہمیشہ رات کو دائیں کروٹ سوتے تھے --- اس لیے تم بھی ایسے سویا کرو۔پھر تمہارے ہاتھ کو پکڑ کر دم کیا تھا۔'' --- ''جی یاد ہے''۔میں نے عرض کیا --- ''اس وقت سے اب تک اس

سنت کا کبھی ناغہ ہوا؟'' ''جی نہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے کبھی ناغہ نہیں ہوا۔'' ''سنت کی تلقین اور ہاتھوں کو پکڑ کر دم کر کے اپنی نسبت تمہیں منتقل کی گئی تھی --- بڑے باباجیؒ کا فیض زیرِ زمین جاری رہا --- اب تمہاری صورت میں ظاہر کر دیا گیا ہے۔'' --- باباجیؒ نے فرمایا --- اس عظیم امانت کو سنبھالنے کی استعداد پیدا کرنے کے لیے تمہیں کسی ظاہری مردِ کامل کی راہنمائی درکار تھی جو تمہیں مولانا اللہ یار خان صاحبؒ سے نصیب ہوگئی --- اب تمہیں اویسیہ طریقہ سے مزید تربیت دی جائے گی۔ سو یہ تینوں حضرات دو ماہ تک روزانہ ذکر مغرب کے دوران تشریف لا کر اپنی توجہ سے نوازتے رہے --- چند بار حضرت داتا صاحبؒ، حضرت خواجہ اجمیریؒ، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور حضرت خواجہ امام حسن بصریؒ بھی تشریف لائے۔

4/اپریل 1984ء کو مغرب کے ذکر میں مراقبات کے دوران جب دربارِ اقدسؐ میں پہنچا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

''تم پہلے بھی ایک روحانی ڈیوٹی ادا کر رہے ہو --- مگر اب تمہیں مزید ایک غیر معمولی مشن سونپا جا رہا ہے --- جنّات پر تمہیں خصوصی تصرّف عطا کیا گیا ہے --- دیگر روحانی امور کے علاوہ جنّات کی تبلیغ وارشاد کا خصوصی فریضہ بھی تم نے انجام دینا ہے --- عالمِ جن وانس میں اتحادِ اسلامی، نفاذِ اسلام اور غلبۂ اسلام کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ تمہارے وجود سے بہت بڑا کام لینا چاہتے ہیں --- اس مقصد کے لیے اولیائے برزخ میں سے اکابر اولیائے کرامؒ، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، سیّد احمد کبیر رفاعیؒ، سیّد ابوالحسن شاذلیؒ، شاہ عبدالعزیزؒ اور تمہارے باباجیؒ کا تعاون تمہیں

حاصل ہوگا۔ امام حسینؓ اس مشن کے سربراہ اور حضرت علیؓ اس کے نگرانِ اعلیٰ ہوں گے اور تم براہِ راست مجھ سے ہدایات حاصل کرو گے---تمہیں فی الحال قطبِ وحدت کے منصب پر فائز کیا جاتا ہے---آج سے تم میرے بیٹے ہو، میرے گھر کا ایک فرد ہو--- آئندہ مسجد کی بجائے گھر (روضۂ اطہر) میں بیٹھ کر درود پڑھا کرو۔"

پھر مجھے دربارِ عام (مسجد) سے اٹھا کر اپنے نورمحل کے دربارِ خاص میں لے گئے جہاں پر شفقتیں نچھاور فرما دی گئیں---یاد رہے کہ دربارِ خاص میں بہت کم اولیاء کو مستقلاً باریابی نصیب ہوتی ہے۔

اب جبکہ تین سال کی صبر آزما اور جان گسل جدوجہد اور عالمگیر معرکہ ہائے حق و باطل کے بعد اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل و کرم اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مسلسل توجہ اور ہدایت اور نگرانی کے تحت عالمِ جنّات میں عالمی سطح پر اتحادِ اسلامی، نفاذِ اسلام اور غلبۂ اسلام کی منزل مراد حاصل کر لی گئی ہے---اور مشن کے آغاز کے وقت کہ جنات کی کل آبادی پندرہ ارب میں سے صرف تین ارب مسلمان تھے---اب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے صرف تین ارب غیر مسلم رہ گئے ہیں---یعنی تین سالوں میں نَو ارب جنّات حلقہ بگوش اسلام ہوئے --- اور پانچ سو چودہ ریاستوں نے اسلامی اتحاد میں شامل ہو کر نفاذِ اسلام کی سعادت حاصل کی--- جنّات میں مشن پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا ہے---یہ دراز تر داستان ہے جس کے بیان کی یہاں گنجائش نہیں۔

بارگاہِ رسالتؐ سے حکم---صادر فرمایا گیا کہ اپنی روحانی کیفیات و احوال اور تصوف و سلوک کے بارے میں ایک مختصر سی کتاب قلمبند کروں جو سالکین کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہو--- مزید فرمایا--- دین کے اہم ترین شعبے "احسان" کو ایک

بڑا طبقہ نظرانداز کر چکا ہے--- انکار کے مقابلے میں اظہار بھی پوری قوت سے ہونا چاہیے--- لہٰذا اپنے احوال کا بھی تذکرہ کرو تاکہ لوگوں کو اس کی برکات کا احساس ہو اور انہیں اس راہ پر چلنے کا شوق نصیب ہو--- عرض کیا کتاب کا نام کیا رکھوں؟--- حضرت امام حسینؓ بول اٹھے---"حالِ سفر"--- میں غور ہی کر رہا تھا کہ حضور ﷺ نے فرمایا---"از فرش تا عرش" بھی نیچے لکھوا دینا تاکہ معنویت پیدا ہو جائے--- الحمدللہ رب العالمین۔

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے فضل اور آپؐ کے کرم سے ناچیز کو انعامات سے اس قدر مالا مال فرمایا گیا ہے کہ اگر میں ظاہر کر دوں تو لوگ یقین کرنے کی بجائے مذاق کرنا شروع کر دیں گے--- آپ ﷺ نے فرمایا---" سنو! قرآن کریم کی آیت:

اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّ ؕ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ○ (سورۃ الاحزاب، 33-56)

"بیشک اللہ اور اس کے فرشتے آپ ﷺ پر درود بھیجتے ہیں تو اے ایمان والو! تم بھی آپؐ پر درود اور خوب سلام بھیجو۔"

ہر کوئی ہر دور میں پڑھتا رہا ہے۔ میری حدیث میں بھی موجود ہے کہ:

عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَوْلَى النَّاسِ بِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اَکْثَرُهُمْ عَلَیَّ صَلٰوۃً

(رواہ الترمذی)

"حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت والے دن وہ شخص میرے سب سے

زیادہ قریب ہو گا جس نے (دنیا میں) مجھ پر سب سے زیادہ درود شریف پڑھا ہو گا---"

---مگر اس حکم پر کماحقہٗ توجہ نہیں دی گئی---تمام عباد و زہاد نے نوافل، تلاوت اور تسبیحات پر توجہ مرکوز رکھی۔ انہوں نے درود پر وہ توجہ نہ دی جس کا تقاضا اللہ کریم نے کیا تھا---مگر میری اُمت میں تم واحد شخص ہو جس نے اللہ کریم سے عجیب دعا مانگی---درود اللہ تعالیٰ کا ذاتی وظیفہ ہے۔ سو جب تم نے اس کی دعا کی تو گویا اللہ کریم کی آرزو طلب کر لی۔ لہٰذا اس نے تمہیں درود کی ذاتی نسبت عطا فرما دی۔ تمہاری یہ معصوم اور پاکیزہ ادا و دعا اللہ کریم کو اتنی پسند آئی کہ تمہیں بتدریج ذوق وشوق اور ہمت وحوصلہ سے نوازتے چلے گئے---تم نے اُمتِ محمدیہ ﷺ کے کثرت سے درود پڑھنے والے پہلے سو اشخاص میں شامل ہونے کی دعا کی تھی---مگر اللہ کریم نے اس لحاظ سے تمہیں ساری اُمت میں اوّل کر دیا۔ سو درود شریف کی تعداد کے لحاظ سے کوئی بھی تمہارا مثیل نہیں۔ اس درود شریف کی وجہ و برکت سے میں نے اور ایصالِ ثواب کی وجہ سے دیگر انبیاء کرامؑ، خلفائے راشدینؓ، حسنینِ کریمینؓ، صحابہ کرامؓ اور اولیائے کرامؒ نے تمہیں اپنا بیٹا بنایا ہے۔ اور اولیائے کرامؒ میں میری ذاتی توجہ جتنی تمہیں حاصل ہوئی ہے وہ اور کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔ اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل وکرم تیرے شاملِ حال ہو رہا ہے۔"

درود شریف کے سلسلہ میں یہ گزارش بے جا نہ ہو گی کہ اگرچہ درود شریف پہلے بھی میرا معمول تھا مگر 29/ جولائی 1975ء کو میں حضرت جیؒ کے حلقۂ ذکر میں شامل ہوا تو اس سے انس مزید بڑھ گیا اور میں نے روزانہ بلاناغہ دس ہزار درود شریف اور دس ہزار کلمہ طیبہ کا ورد معمول بنا لیا--- تا آنکہ رمضان شریف 1978ء کے

اعتکاف کے دوران دل میں خیال پیدا ہوا کہ ان میں سے ایک کو اختیار کر کے درجہ کمال تک پہنچانا چاہیے۔ سو درود شریف سے طبعی لگاؤ کے باعث اسے اختیار کیا گیا --- اور پھر ایک عجیب سی آرزو نے دل میں پیدا ہو کر بے قرار کر دیا --- بے چینی بڑھی تو نصف رات کے وقت دعا کی صورت میں لبوں پر آ گئی --- بارگاہِ الٰہی میں دستِ دعا بلند ہوا:

> "الٰہی مجھے تا حیات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور کم از کم ایک کروڑ سالانہ درود شریف کے ایصال کی سعادت نصیب فرما۔ یا اللہ! میں درود شریف کا ریکارڈ قائم کروں، پھر توڑوں، پھر قائم کروں، پھر توڑوں، پھر قائم کروں۔ رب العالمین میرے مالک! مجھے اُمتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان پہلے سو خوش نصیبوں میں شامل فرما جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کثرت سے درود شریف بھیجا ہے۔"

بے حد و بے حساب تعریفیں، ناپیدا کنار تعریفیں، بے انتہا تعریفیں میرے اللہ میرے مالک کے حضور جس نے مجھ ناچیز و عاجز کو یہ دعا مانگنے کا لازوال شرف بخشا --- بے مثال سعادت سے بہرہ ور فرمایا۔ جس نے مجھے اپنے ذاتی وظیفہ سے سرفراز فرما دیا --- میں اگر یہ کہوں کہ نہ کسی نے ایسی دعا مانگی نہ کسی کی ایسی قبول ہوئی۔ میں کیوں نہ کہوں کہ چودہ سو سال سے رحمتِ حق منتظر تھی کہ کوئی دعا مانگے تو سہی، وہ ذاتِ اقدس طالب تھی کہ کوئی طلب تو کرے --- یہی طلب اس کا مطلوب تھی --- اور اس طلب کے لیے دل چُنا تو کس کا چُنا --- ہاں! کمالؔ کا چُنا --- بے شک کمالؔ کا چُنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت کے صدقے کمالؔ کو اس نعمت لازوال و بے مثال سے مشرف کیا گیا کہ ملائکہ بھی جھوم اٹھے، کائنات جھوم اٹھی --- حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جھوم اٹھے --- ارے رحمتِ حق

جھوم اٹھی --- کمالؔ کا نصیب جاگ اٹھا --- میرے اللہ! میرے مالک! بے حد و بے حساب تعریفیں --- بے کراں تعریفیں، بے پایاں تعریفیں تیرے لیے ہیں۔

اسے میری شاعرانہ تعلّی پر محمول نہ کر --- یہ تحدیثِ نعمت ہے، اظہارِ تشکر ہے، قرآنِ کریم 6666 پھولوں کا گلدستہ ہے --- فقیر نے تو صرف --- اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوۡنَ عَلَی النَّبِیِّ ؕ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا صَلُّوۡا عَلَیۡہِ وَ سَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا o

(سورۃ الاحزاب، 33-56)

"بیشک اللہ اور اس کے فرشتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر درود بھیجتے ہیں تو اے ایمان والو! تم بھی آپؐ پر درود اور خوب سلام بھیجو۔"

کے ایک پھول کا سوال کیا تھا --- یہ سوال اس اللہ وہاب کو اتنا بھایا، اتنا بھایا کہ سارا گلدستہ ہی حوالے کر دیا۔

ع اِک پُھل منگیا ای سارا باغ حوالے ڈھولا

سارے قرآن کریم کی نسبت عطا فرما دی گئی --- کائنات بخش دی گئی --- حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا --- تمہیں تمام قرآن کریم کی نسبت عطا کی گئی ہے --- اپنے شاگردوں کو جس آیت یا سورۃ کی چاہو نسبت عطا اور مراقبہ کرا سکتے ہو --- میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ! مفسرین نے کوثر کے معنی حوض اور خیرِ کثیر بیان کیے ہیں --- خیرِ کثیر سے کیا مراد ہے؟" حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا --- "قرآن کریم"۔

اتفاق سے ایک صاحبِ کشف ساتھی میرے پاس بیٹھا تھا۔ میں نے اسے مراقبہ کرنے کے لیے کہا اور خود آیتِ کریمہ --- "اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ" (سورۃ الکوثر، 108-1) "بیشک ہم نے آپؐ (ہی) کو خیرِ کثیر (قرآن کریم) عطا فرمایا" پڑھی۔ پوچھا کیا نظر آیا؟ کہنے لگا کہ ایک وسیع و عریض تالاب ہے جس میں شفاف

سفید پانی دو نہروں سے گر رہا ہے--- میں نے کہا نہروں کے ساتھ ساتھ جا کر دیکھو یہ کہاں سے آ رہی ہیں۔ کہنے لگا جنت سے آ رہی ہیں۔ میں نے کہا آنکھیں کھول دو۔ پھر میں نے کہا کہ میں دوبارہ یہی آیت پڑھوں گا--- اب بتاؤ تمہیں کیا دکھائی دے گا؟ سو میں نے آیت کریمہ تلاوت کی۔ کہنے لگا: "اب آپ کے دونوں ہاتھوں میں قرآن کریم آ گئے ہیں"۔ سبحان اللہ!

میں نے ایک اور آیت مبارکہ---

اِنَّ الۡاَبۡرَارَ لَفِیۡ نَعِیۡمٍ ۝ (سورۃ الانفطار، 82-13)

"بلاشبہ نیک لوگ بہشت میں ہوں گے" ---------------

--- پڑھی، کہنے لگا کہ اب جنت میں موجود ہوں۔ میں نے دل میں ارادہ کیا کہ اس سے ملحقہ آیت:

وَ اِنَّ الۡفُجَّارَ لَفِیۡ جَحِیۡمٍ (سورۃ الانفطار، 82-14)

"اور یقیناً بدکار دوزخ میں ہوں گے۔" ---------------

--- پڑھوں۔ ابھی الفاظ ادا کرنے ہی والا تھا کہ یک دم بول اٹھا۔ حضرت اب بائیں جانب جہنم بھی دہکتا نظر آ رہا ہے۔"

کسی نیک ساعت میں ایک طلب--- ایک دعا--- ایک شعر کے سانچے میں ڈھل کر لبوں پر آ گئی تھی:

ے میری پیاس چھینٹوں سے کب بجھ سکے گی
میں صحرا ہوں دریا پیا چاہتا ہوں

مجیب الدعوات نے اسے شرف قبولیت بخشا--- پھر کیا تھا۔ میں دریا پہ دریا لنڈھاتا گیا--- سمندر پہ سمندر پیتا گیا--- ہاں وہ سمندر جس کا ایک پیالہ پی

کر نجانے کتنے لوگ حواس کھو بیٹھے--- دینے والا دے رہا ہے، مسلسل دے رہا ہے، میں پی رہا ہوں--- مسلسل پی رہا ہوں--- میرے اللہ! میرے حضور ﷺ کے جوتوں کے صدقے میرا ظرف وسیع کر دے، وسیع کر دے--- اور وسیع کر دے --- تو دیتا رہے میں پیتا رہوں --- ابدلآباد تک پیتا رہوں۔ حضور ﷺ کے صدقے پیتا رہوں---

جَزَ اللہُ عَنَّا مُحَمَّدًا صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ مَا ھُوَ اَھۡلُہٗ

"اے میرے اللہ تو محمد ﷺ کو ہماری طرف سے وہ جزاء عطا فرما جس کے وہ اہل ہیں۔"

میرا اورد مندرجہ ذیل درود شریف ہے:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الۡاُمِّیِّ

وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحۡبِہٖ وَبَارِکۡ وَسَلِّمۡ

دربارِ اقدس ﷺ میں یہ درود شریف بہت پسند کیا جاتا ہے--- اس سلسلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اپنے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیمؒ کا ایک خواب "انفاس العارفین" میں بیان فرماتے ہیں:

"فرماتے تھے ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ گویا حاضرین میں سے ہر شخص اپنی فہم اور معرفت کے مطابق درود پیش کرتا ہے۔ مجھ سے یہ جب آپ ﷺ نے سنا تو حضور ﷺ کے چہرۂ اقدس ﷺ پر انتہائی خوشی و مسرّت کے آثار ظاہر ہوئے۔"

میں نے یہ واقعہ پڑھا تو مراقبہ کرتے ہوئے حضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں خوشی سے عرض کیا:

"یا رسول اللہ ﷺ! میں نے یہ واقعہ پڑھا ہے--- میری انتہائی خوش نصیبی ہے کہ حسنِ اتفاق سے آپؐ کا پسندیدہ درود ہی میرا شغل ہے۔"

آپ ﷺ نے شگفتگی کے عالم میں فرمایا:

"بیٹے! تمہیں اس درود شریف کی نہایت عظیم الشان نسبت عطا کی گئی ہے جو پہلے کسی کو بھی نصیب نہیں ہوئی--- اسی نسبت کی تاثیر و فیض کے تحت ہی تمہارے لیے روزانہ اتنی کثیر تعداد میں درود پڑھنا ممکن ہوا۔"

ناچیز نے یہ نسبت دوسروں کو منتقل کرنے کی اجازت کی درخواست پیش کی جو بخوشی قبول فرمائی گئی۔ آپ ﷺ نے مزید فرمایا "تمہارا یہ درود بارگاہِ الٰہی میں اتنا مقبول ہے کہ تمہاری نسبت اور اجازت والے کو ایک بار پڑھنے پر بے حساب اجر سے نوازا جائے گا۔" --- اس وقت میرا ایک صاحبِ کشف شاگرد میرے پاس موجود تھا --- چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا "اسے مشاہدہ کراؤ۔" سو میں نے اسے مراقبہ کے لیے کہا اور خود ایک بار درود شریف پڑھا--- اس نے بتایا کہ آپ کے درود شریف شروع کرتے ہی انوارات کی بارش شروع ہوگئی اور مجھے ایک لمحہ میں پوری زمین و آسمان پر یہ بارش برستی دکھائی گئی---

جَزَ اللّٰہُ عَنَّا مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ مَا ھُوَ اَھْلُہٗ

"اے میرے اللہ تو ہماری طرف سے حضرت محمد ﷺ کو وہ جزاء عطا فرما جس کے وہ اہل ہیں۔"

---لہٰذا اس فقیر کی طرف سے ہر کسی کو اس درود شریف کی اجازت دی جاتی ہے--- اپنی ہمت کے مطابق روزانہ معمول اختیار کر لیا جائے۔

رمضان شریف 1978ء میں اعتکاف کے دوران ایک رات کو درود شریف کے لیے جو دعا مانگی تھی --- وہ قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور حضور ﷺ کے صدقے اگلے سال یکم رمضان شریف کو میرا ایک کروڑ درود شریف پورا ہو چکا تھا۔ میری مسرت وانبساط کا عجیب عالم تھا --- میری مراد بر آئی تھی۔ میرے لیے یہ عید کا دن تھا --- میری اس عید میں جیسے کائنات شریک ہو۔ میرا ذوق وشوق اور --- عزم وحوصلہ بتدریج بڑھتا چلا گیا --- میرے دن، میری راتیں درود شریف کے لیے وقف ہو کر رہ گئیں۔ میں اپنا ریکارڈ توڑتا اور قائم کرتا رہا۔ پھر یہ سلسلہ دراز تر ہوتا چلا گیا۔ حتیٰ کہ 19 ر فروری 1987ء کو 37 (سینتیس) کروڑ تمام ہوا --- اب کم از کم سوا دولاکھ روزانہ کا معمول ہے --- اور زیادہ سے زیادہ ایک راز ہے اسے راز ہی رہنے دیجیے۔

آغازِ سفر سے ہی میرا معمول تھا کہ دن بھر اور رات کو جتنا درود شریف پڑھتا سوتے وقت صرف دس ہزار بچا کر باقی تمام حضور ﷺ اور ان کے طفیل امہات المؤمنینؓ، حضور ﷺ کی تمام اولاد مبارکہؓ، انبیاء کرامؑ، صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ اور اولیائے کرامؒ میں سے جن کے نام یاد تھے کو بالخصوص نام لے لے کر اور دیگر تمام انبیاء کرامؑ، صحابہ کرامؓ اور اولیاء کرامؒ کو بالعموم ایصالِ ثواب کر دیتا۔ گرمی ہو، سردی ہو، خوشی ہو، غمی ہو، میرا معمول جاری رہا، بلا ناغہ جاری رہا اور ہمیشہ جاری رہا۔

ایک روز حضرت جیؒ کی خدمت میں حسبِ معمول حاضر ہوا تو آپؒ نے ایک خلافت نامہ عطا فرمایا۔ جس پر ان کے علاوہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، حضرت شیخ ابواسحٰق شامی چشتیؒ، حضرت شیخ ابونجیب سہروردیؒ، حضرت شیخ احمد کبیر رفاعیؒ، حضرت شیخ نجم الدین کُبریٰؒ، حضرت شیخ ابوالحسن شاذلیؒ، حضرت شیخ جلال الدین رومیؒ اور حضرت

شیخ بہاؤ الدین نقشبندؒ کے دستخط ثبت تھے۔ فرمایا تمہیں اکابرین بانیانِ سلاسل نے مشترکہ طور پر خلافت نامہ سے نوازا ہے --- اس سلسلہ میں دربار اقدسؐ سے مزید ہدایات کا انتظار کرو --- چند روز بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''قرآن کریم میں جتنے انبیاء کے نام شامل ہیں اور سرزمینِ پنجاب میں آسودہ جن انبیاء کرامؑ سے تمہارا تعارف کرادیا گیا ہے ان سب کی خدمت میں نمازِ فجر کے بعد روزانہ حاضری دیا کرو۔'' سو تعمیلِ ارشاد کی گئی۔ مسلسل کئی دن ان نفوسِ قدسیہ کے درباروں میں شرف باریابی نصیب ہوتا رہا۔ خصوصاً حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کی خدمت میں پورا ایک ماہ حاضری ہوتی رہی --- اس حاضری سے مقصود ان کی توجہ دلانا تھا۔ حتیٰ کہ ایک دن بالکل غیر متوقع طور پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''تمہارے لیے انبیاءِ کرامؑ کی طرف سے اسناد اور انعامات میرے پاس --- صحابہ کرامؓ سے (حضرت) علیؓ اور تابعینؒ و تبع تابعینؒ کی طرف سے (خواجہ) حسن بصریؒ، اور اولیائے کرامؒ کی طرف سے (شیخ) عبدالقادر جیلانیؒ کے پاس جمع ہیں۔ یہ سب وصول کرلو۔ سالہا سال سے چونکہ تمہاری طرف سے کروڑوں درود کا گراں قدر تحفہ انہیں موصول ہوتا رہا ہے۔ اس لیے:

هَلۡ جَزَآءُ الۡاِحۡسَانِ اِلَّا الۡاِحۡسَان (سورۃ الرحمٰن، 55-60)

''احسان کا بدلہ بھی احسان کے سوا کیا ہے۔''

کے تحت ان تمام نے تمہیں اپنی نسبتیں، اسناد اور انعامات عطا کیے ہیں۔ جس غیر معمولی انداز میں تمہیں اویسی طریقہ پر کثیر تعداد میں نسبتوں اور اسنادِ خلافت و انعامات سے نوازا گیا ہے، اس کی مثال نہیں ملتی۔ اب تم اپنی خلافت کا اعلان کرکے ظاہری طور پر بھی رشد و تلقین کا سلسلہ چلاؤ۔ تمام نسبتیں ضم کرکے تمہارے نام سے تصوف و سلوک کا ایک نیا سلسلہ جاری کیا گیا ہے۔ تمہاری خانقاہ کا نام ''**دارالفیضان**'' رکھا جاتا ہے --- انشاء اللہ تعالیٰ اس کا ظاہری اور باطنی فیض تا قیامت جاری رہے گا۔''

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میری پہلی اور آخری آرزو تو زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھنے کی سعادت حاصل کرنا ہے۔ جب لوگ میرے پاس آنا شروع ہو جائیں گے تو مجھے ذکر اور مراقبات سمجھانے اور توجہ وغیرہ دینے کے لیے خاصا وقت نکالنا پڑے گا---اس طرح میرا درود شریف کا شغل متاثر ہوگا---آپ ﷺ نے فرمایا:

"تیرے دونوں کام انشاء اللہ تعالیٰ خوش اسلوبی سے طے پاتے رہیں گے---تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں--- میں خود ذاتی طور پر تمہارے سلسلے کی نگرانی کروں گا---اور صبح وشام ذکر کے دوران تمہارے حلقۂ ذکر کو توجہ دیا کروں گا۔"

میری اور میرے ساتھیوں کی انتہائی خوش نصیبی ہے کہ حضور ﷺ روحانی طور پر مع خلفاءِ راشدینؓ، حضراتِ حسنین کریمینؓ اور انبیاء کرامؑ کے ہمراہ میرے حلقۂ ذکر میں تشریف ارزانی فرما کر توجہ سے نوازتے ہیں---اور ہمیں بالائی منازل میں بھی ان نفوس قدسیہ کے ساتھ سیرِ روحانی کی سعادت نصیب ہوتی رہی ہے۔صاحبِ کشف ساتھی متعدد مرتبہ اس روح پرور اور جاں نواز منظر کے مشاہدے سے مشرّف ہوئے۔

میں نے دوبارہ عرض کیا "یا رسول اللہ ﷺ مجھے ظاہری طور پر حضرت جیؒ نے خلافت نامہ عطا نہیں کیا تھا---اب میرے اس دعویٰ پر کہ حضور ﷺ کی بارگاہِ عالیہ سے مجھے خلافت سے نوازا اور تلقین وارشاد کا حکم صادر فرمایا گیا ہے، کون اعتبار کرے گا؟" حضور ﷺ نے فرمایا:

"تمہیں اتنی قوی اور ظاہراً نشانیاں دی جائیں گی کہ مقدّر والے لوگ اس پر یقین کر لیں گے اور تم سے فیض یاب ہوں گے۔"

سو ایسا ہی ہوا --- میں نے پرانے ساتھیوں، پروفیسر محمد محفوظ اور نجیب احمد کو جونہی بتایا تو بلا تأمل دونوں نے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھا دیے۔ چند ماہ میں ہی خاصی تعداد میں لوگ حلقۂ ذکر میں شامل ہونے لگے اور اللہ کے فضل و کرم سے اب ذکر کا نور پھیل رہا ہے۔ متعدد حضرات کو صرف چند ہفتوں میں کعبہ شریف، روضۂ اطہر، دربارِ اقدس ؐ اور عرشِ عظیم کی منازل میں گرم پروازی کی سعادت حاصل ہوگئی --- اور انہوں نے یہ مقاماتِ مقدسہ مشاہدہ کیے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، دیگر انبیاءِ کرامؑ، خلفاءِ راشدینؓ اور اولیاءِ کرامؒ کی زیارت سے مشرّف ہوئے --- اور اب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے روزانہ صبح و شام اس نعمت سے بہرہ ور ہیں۔ چند دنوں میں نوجوانوں کی کایا پلٹ گئی۔ انہوں نے چہروں کو داڑھی کی سنت سے مزیّن کر لیا --- ان کی شخصیت میں ایک متانت سی آ گئی۔ لہو و لعب کی بجائے اب ان کے ہاتھوں میں تسبیح دکھائی دینے لگی، خرافات کی بجائے درود شریف وردِ زبان رہنے لگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صدقے یہ انعامات وصول کرنے کی سعادت حاصل کی۔ مندرجہ ذیل میں سے ہر ہستی نے کم از کم دس انعامات عطا فرمائے۔ انعامات اور اسماءِ گرامی کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

قرآنِ کریم، کتابِ حدیث، انگوٹھی، چادر، کوزہ، مصلیٰ، تسبیح، دستار، ہار، کلاہ، عصاء، قندیل، چراغ، پوشاک، چغہ، قلم، قلمدان، گلدستہ، تلوار، کلہاڑی، نیزہ، پرچم اور سند وغیرہ شامل تھے۔

(۱) حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت شیثؑ، حضرت ادریسؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحٰقؑ، حضرت اسماعیلؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت ایوبؑ، حضرت یونسؑ، حضرت شعیبؑ، حضرت موسیٰؑ،

حضرت عیسیٰؑ، حضرت خضرؑ، حضرت الیاسؑ، حضرت یحیٰؑ، حضرت ہودؑ، حضرت ہارونؑ، حضرت ذوالکفلؑ، حضرت عزیرؑ، حضرت زکریاؑ، حضرت صالحؑ، حضرت الیسعؑ، حضرت طانوخؑ، حضرت امنونؑ، حضرت واصحؑ، حضرت لقمانؑ، حضرت ذوالقرنینؑ۔

(ب) حضرت جبرائیلؑ، حضرت میکائیلؑ، حضرت اسرافیلؑ، حضرت عزرائیلؑ

(ج) حضرت عبداللہؓ (والدِ ماجد حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)، حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علی المرتضیٰؓ، حضرت امام حسنؓ، حضرت امام حسینؓ، حضرت امیر حمزہؓ، حضرت عباسؓ، حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت عمر بن العاصؓ، حضرت سعید بن زیدؓ، حضرت خالدؓ، حضرت بلالؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت زید بن حارثؓ، حضرت اسعد بن زرارہؓ، حضرت ذکوانؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت معاذؓ، حضرت معوّذؓ، حضرت امیر معاویہؓ، حضرت ابوسفیانؓ، حضرت سلیمان فارسیؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت صہیب رومیؓ، حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت یاسرؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ، حضرت انسؓ، حضرت حسّانؓ، حضرت قتادہؓ، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ، حضرت موسیٰ اشعریؓ، حضرت اسامہؓ، حضرت ابوایوب انصاریؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عقبہ بن نافعؓ، حضرت خبیبؓ، حضرت عبداللہؓ،---حضرت قاسمؓ، حضرت عبداللہؓ، حضرت ابراہیمؓ (پسران حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

(د) حضرت اویس قرنیؒ، حضرت حسن بصریؒ، حضرت سعید بن جبیرؒ، حضرت محمد بن سیرینؒ، حضرت زین العابدینؒ، حضرت علی اکبرؒ، حضرت علی اصغرؒ، حضرت امام محمد باقرؒ، حضرت امام جعفر صادقؒ، حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ، حضرت امام ترمذیؒ، حضرت حبیب عجمیؒ،

حضرت معروف کرخیؒ، حضرت داؤد طائیؒ، حضرت عبداللہ بن مبارکؒ، حضرت امام بخاریؒ، حضرت امام مسلمؒ، حضرت شفیق بلخیؒ، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، حضرت محمد بن قاسمؒ، حضرت قتیبہ بن مسلمؒ، حضرت موسیٰ بن نصیرؒ، حضرت طارق بن زیادؒ، حضرت محمود غزنویؒ، حضرت صلاح الدین ایوبیؒ، حضرت نور الدین زنگیؒ، حضرت امام شاملؒ، حضرت فضیلؒ، حضرت ذوالنون مصریؒ، حضرت ابراہیم بن ادہمؒ، حضرت بایزید بسطامیؒ، حضرت امام موسیٰ کاظمؒ، حضرت امام رضاؒ، حضرت امام حسن عسکریؒ، حضرت امام تقیؒ، حضرت امام نقیؒ، حضرت سفیان ثوریؒ، حضرت بشر حافیؒ، حضرت سری سقطیؒ، حضرت جنید بغدادیؒ، حضرت شیخ بوعلی فارمدیؒ، حضرت امام غزالیؒ، حضرت ابوالحسن خرقانیؒ ، حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ ، حضرت ابو نجیب سہروردیؒ، حضرت شہاب الدین سہروردیؒ، حضرت نجم الدین کبریٰؒ ، حضرت ابو الحسن شاذلیؒ ، حضرت سید احمد کبیر رفاعیؒ، حضرت ابوالحسن بونیؒ ، حضرت محمد بن الجزریؒ، حضرت ابواسحٰق شامی چشتیؒ، حضرت جلال الدین رومیؒ، حضرت شمس تبریزیؒ ، حضرت علی ہجویری داتاؒ، حضرت معین الدین چشتیؒ ، حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ ، حضرت فرید الدین شکر گنجؒ، حضرت نظام الدین اولیاءؒ ، حضرت بوعلی قلندرؒ، حضرت شہباز قلندرؒ، حضرت یافعیؒ، حضرت امیر خسروؒ، حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ، حضرت عبداللہ شاہ غازیؒ، حضرت محمد عون قطب شاہؒ، حضرت صدر الدین عارفؒ، حضرت شاہ رکن عالم ملتانیؒ ، حضرت مخدوم جہانیاںؒ، حضرت علی ہجویریؒ قلعہ والے ، حضرت بہاؤ الدین نقشبندؒ، حضرت خواجہ محمد باقی باللہؒ، حضرت شاہ سکندر کیتھلیؒ، حضرت شاہ کمال کیتھلیؒ، حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ، حضرت جلال الدین تبریزیؒ ، حضرت شیخ احمد سرہندیؒ، حضرت عبدالعزیز دباغؒ، حضرت احمد دربندیؒ، حضرت سعید ابوالخیرؒ، حضرت فرید الدین عطارؒ،

حضرت شیخ سعدیؒ، حضرت حافظ شیرازیؒ، حضرت عبیداللہ احرارؒ، حضرت عبدالرحمٰن جامیؒ، حضرت ابوایوب صالحؒ ، حضرت اللہ دین مدنی ؒ ، حضرت عبدالرحیمؒ، حضرت شاہ محمدؒ، حضرت مخدوم برہان الدینؒ ، حضرت شاہ بلاولؒ، حضرت سلطان باہوؒ، حضرت عبدالرحمٰن قادریؒ، حضرت عنایت قادریؒ، حضرت شاہ حسین لاہوریؒ، حضرت بلھے شاہؒ، حضرت محمد سلیمان تونسویؒ، حضرت شمس الدین سیالویؒ، حضرت خوشابیؒ، حضرت خواجہ غلام نبی للّٰویؒ، حضرت حیدر شاہ جلال پوریؒ، حضرت مہر علی شاہ گولڑویؒ، حضرت عبدالہادی شاہؒ، حضرت نظیر حسین شاہؒ، حضرت گل بادشاہؒ، حضرت کاکا صاحبؒ، حضرت محمد قاسم موہڑویؒ، حضرت نور محمد تیراہیؒ، حضرت علی احمد صابر کلیریؒ، حضرت ابو یوسف چشتیؒ، حضرت ابدال چشتیؒ، حضرت امداداللہ مہاجر مکیؒ، حضرت مظہر جان جاناںؒ، حضرت شاہ عبدالرحیمؒ، حضرت شاہ ولی اللہؒ، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ، حضرت شاہ غلام علیؒ، حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ، حضرت شاہ دولہ دریائیؒ ، حضرت پیر صحابہ چکوالیؒ، حضرت شاہ سفیرؒ، حضرت بازیدویؒ، حضرت شاہ مرادؒ، حضرت سیدن شاہ شیرازیؒ، حضرت سخی سرورؒ، حضرت عبدالرحمٰن بشندوریؒ، حضرت شہابؒ، حضرت کرم شاہ بخاریؒ، حضرت حافظ فتح نورؒ، حضرت قاضی عبدالحلیمؒ، حضرت قاضی سید نورؒ، حضرت قاضی برہان الدینؒ ، حضرت قاضی حاجی احمد ہیلانیؒ، حضرت قاضی حافظ خان محمدؒ، حضرت مولانا اللہ یار خانؒ، حضرت قاضی کرم دینؒ ، حضرت قاضی محمد فاضلؒ۔

اس کے بعد حضور ﷺ نے ایک بڑے سے صندوق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا --- ''یہ لو میری طرف سے انعامات --- یہ شاہانِ جنّات کے پہلے اجلاس میں اتحادِ اسلام اور نفاذِ اسلام کے اعلان کی خوشی میں تھا --- اور اس وقت تمہیں صدّیق کے منصب سے نوازا گیا تھا۔'' انعامات کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

قرآنِ کریم، کُتبِ حدیث، رحل، موئے مبارک، انگوٹھی، چادر، جبہ، چراغ، مشعل، تاج، مسند، دستار، خلعت، ٹوپی، رومال، ہیرے، ہار، عصاء، تسبیح، مسواک، مصلیٰ، کوزہ، پیالہ، صراحی، قلم، قلمدان، سند، گلدستہ، قالین، شیشی خوشبو، تلوار، خنجر، نیزہ، تیر کمان، کلہاڑی، زرہ اور پرچم۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا---"اب تمام عالمِ جنّات میں--- نفاذِ اسلام کی صورت میں تمہارا سارا حسنِ کارکردگی سامنے ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے تمہیں خصوصی فضل ورحمت سے منصبِ "عبد" سے نوازا ہے۔ اور اس کا انعام یہ ہے۔"---آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین بڑی سی چابیاں عنایت فرمائیں۔ ایک پہ درود شریف دوسری پر کلمہ طیبہ اور تیسری پر بسم اللہ شریف مرقوم تھا---اس کے ساتھ ہی چھوٹی چابیوں کے کئی گچھے تھے---اشارہ فرمایا--- وہ دیکھو۔ دیکھا---وسیع وعریض باغات کے ایک خطہ میں تین عظیم الشان محل موجود تھے--- وہ محل اور ان میں سب مال ومتاع تمہارا ہے۔ ان میں کیا کیا انعامات دھرے تھے، کون گِنے، کیسے شمار کرے۔

اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ٥ (سورة ص، 38-54)

"بیشک یہ ہمارا وہ رزق ہے جس میں کمی نہیں۔"

جَزَ اللّٰهُ عَنَّا مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ

مَا هُوَ اَهْلُهٗ

بعدازاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ بشارتیں عطا فرمائیں جن میں سے چند حسبِ ذیل ہیں:

(1) جو کوئی تیرے حلقۂ ذکر میں بیٹھ کر ایک بار ذکر کرے گا یا تیری امامت میں نماز پڑھے گا یا جس متوفی کے لیے تو دعائے مغفرت کرے گا یا بعد وصال تیرے مزار پر بیٹھ کر ذکر کرے گا اسے بخش دیا جائے گا۔

(2) تو چاہے تو پہلی ہی بار ایک نشست میں لطائف و مراقبات کرا کر بالائی منازل میں بابِ مغفرت تک رسائی اور کعبہ شریف، روضۂ اطہر اور دربارِ اقدس ؐ میں پہنچانے کا مجاز ہے۔

(3) تجھے ہر سال لیلۃ القدر نصیب ہوگی اور ساتھیوں کو مشاہدہ کرا سکے گا۔

(4) جو کوئی صدقِ نیّت سے تیری زندگی میں یا وصال کے بعد ایک بار بھی تیرے پاس یا تیرے مزار پر فیض کے لیے آئے گا اس کا روحانی رابطہ تجھ سے قائم ہو جائے گا اور وہ تجھ سے غائبانہ طور پر فیض حاصل کرتا رہے گا۔

(5) تمہاری شہادت کی موت کی دعا قبول ہو چکی ہے۔

(6) تمہیں ولایت کی ساری شاخیں عطا کی گئی ہیں اور سب شاخوں میں بطور سربراہ تیرا فیض تا قیامت جاری رہے گا۔

میرے احوال اور بشارتوں کے بارے میں کوئی صاحب پڑھ کر مبادا یہ کہہ اٹھیں --- کہ یہ شخص کیسے اوٹ پٹانگ خود ساختہ دعوے کر رہا ہے اور اس نے مغفرت کا اتنا سستا کاروبار کھول لیا ہے --- میرے بھائی! حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حدیث شریف میرے پیشِ نظر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عَنْ سَلْمَۃَ ھُوَ ابْنِ الْاَکْوَعِ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ یَّقُلْ عَلَیَّ مَا لَمْ اَقُلْ فَلْیَتَبَوَّا مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ (رواہ بخاری)

"حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو فرماتے سنا۔ جس نے کوئی ایسی بات مجھ سے منسوب کی جو میں نے نہیں کہی تو ایسا شخص اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔"

سو اس کتاب میں فقیر نے مختلف مقامات پر جو باتیں آپ ﷺ سے منسوب کی ہیں وہ پوری ذمہ داری سے کی گئی ہیں--- حقیقت یہ ہے کہ یہ ایسی باتیں ہیں کہ شاید دنیا چونک اٹھے--- مگر اللہ تعالیٰ شاہد ہیں کہ میں نے یہ ساری کتاب اللہ کے گھر (مسجد) میں بیٹھ کر قلمبند کی ہے--- اس میں ذرّہ بھر ہوائے نفس شامل نہیں--- بلکہ درحقیقت اگر دربارِ اقدس ﷺ سے مجھے حکم صادر نہ ہوتا تو میں اس موضوع پر قلم اٹھانے کی جسارت ہی نہ کرتا اور کسی فتنے سے بچنے کے لیے میں نے چند باتیں ملفوف انداز میں لکھیں تو انہیں واضح انداز میں لکھنے کو حکم فرمایا گیا اور جملوں میں کانٹ چھانٹ کروائی گئی۔

اب قاری کے مزید اطمینان کے لیے گزارش ہے کہ "مغفرت" ولایت کی ایک اہم شاخ ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہیں اسے اس سے نواز کر اسے اپنی مخلوق میں سے کسی کی مغفرت کا وسیلہ بنا دیتے ہیں--- جیسے حضور ﷺ کا پیغام حضرت اویس قرنیؒ کو پہنچا کر اُمت کی بخشش کی دعا کرائی گئی تھی--- مزید دو مثالیں ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ "انفاس العارفین" صفحہ 70 پر اپنے والد ماجد شاہ عبدالرحیمؒ کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "فرماتے تھے کہ ایک دفعہ عصر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ میرے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ آج اس نماز میں جو شخص تیری اقتدا کرے گا وہ بخشا جائے گا۔ جماعت میں ایک ایسا شخص تھا جس کے متعلق میرا دل گواہی دیتا تھا کہ وہ ایسا نہیں ہے--- جب تکبیر کہی گئی تو اتفاقاً اس کا وضو ٹوٹ گیا۔ جب وہ واپس آیا تو ہم نماز سے فارغ ہو چکے تھے۔ ایک دوسرا اجنبی شخص آیا اور نماز میں شریک ہو گیا۔"

"انوار الاصفیاء" میں حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کے مشہور "بہشتی دروازہ" کی روایت یوں درج ہے:

"کہا جاتا ہے کہ جب حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے مزار تعمیر کرایا تو ایک روز جنوبی دروازے کے پاس کھڑے تھے کہ اچانک فرطِ جوش سے پکار اٹھے" حضور ﷺ تشریف لائے اور فرماتے ہیں کہ جو اس دروازے میں داخل ہوگا نجات پائے گا۔" --- اس واقعہ کے بعد سے مشرقی دروازہ زائرین کے لیے کھولا گیا --- جنوبی دروازہ جسے "بہشتی دروازہ" کا نام دیا جاتا ہے بند کر دیا گیا۔ صرف عرس کے موقع پر یعنی 5 محرم کی شام کو کھولا جاتا ہے اور لوگ اس میں سے گزرتے ہیں۔"

میں نے روحانی طور پر حضور ﷺ سے اس واقعہ کی نسبت دریافت کیا تو آپ ﷺ نے اثبات میں جواب دیا۔ عرض کیا "یا رسول اللہ ﷺ عرس میں ایسے لوگ بھی آتے ہیں جو شعائرِ اسلام کی پابندی اختیار نہیں کرتے۔" آپ ﷺ نے فرمایا "ایسے لوگوں کو صاحبِ مزار کی دعا کی برکت سے موت کے وقت سچی توبہ اور کلمہ نصیب ہو جاتا ہے۔"

اور آخر میں متوسّلین کو تلقین کی جاتی ہے کہ شیخ سے اخذِ فیض کے لیے تین شرائط کی پابندی ضروری ہے --- عقیدت، ادب اور اطاعت کی تین تاروں میں سے اگر ایک میں بھی نقص پیدا ہو گیا تو فیض کی لہر کٹ کر رہ جائے گی۔

اوّل: عقیدت سے مراد یہ ہے کہ اس امر کا پورا یقین ہو کہ میرا شیخ کامل ہے۔

دوم: شیخ کا ظاہری ادب و احترام بھی ضروری ہے۔ دینی علوم کے استاد کا ادب و احترام اگر دل میں نہ بھی ہو یا اس کی عدم موجودگی میں آپ اس کے خلاف

زہر اگلتے رہیں تو بھی جب وہ جماعت کو پڑھائے گا تو باادب اور بے ادب طلبہ یکساں طور پر مستفید ہوں گے۔ مگر باطنی تعلیم میں اگر مرید کے دل میں ذرا سی بدگمانی یا بے ادبی پیدا ہو جائے تو فیض کی تار خود بخود کٹ جاتی ہے۔

سوم: شیخ کے حکم کی پابندی کی جائے۔ مثلاً شیخ کے دل میں خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ میں فلاں مرید کو اگلا سبق دوں۔ وہ اسے بلاتے ہیں مگر مرید کو اپنے دنیوی جنجال سے فرصت نہیں ملتی۔ وہ حاضر ہونے سے قاصر رہتا ہے تو یہ گویا کفرانِ نعمت ہے۔ ممکن ہے کہ اس کی یہ بے نیازی مزید کسبِ فیض میں رکاوٹ بن جائے۔

2/مارچ 1984ء کو حضرت جیؒ اور بابا جیؒ سے روحانی رابطہ گویا اویسی طریقہ سے میری روحانی تربیت کا نقطہ آغاز تھا۔ 4/اپریل 1984ء کو حضور ﷺ نے دربارِ اقدسؐ سے فقیر کو ایک اہم ترین ذمہ داری سونپی اور 8/اپریل 1984ء کو منصبِ قطبِ وحدت پر فائز فرمایا --- اس کے ساتھ ہی متعدد اکابر اولیاء کرامؒ کی توجہ بھی شاملِ حال ہوگئی۔ یہ توجہ حضور ﷺ کی زیرِ ہدایت جاری ہوئی --- اس سلسلہ میں کئی بار کٹھن مراحل اور امتحانات سے بھی گزرنا پڑا --- اگر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل و کرم اور حضور ﷺ کی خصوصی توجہ، نگرانی اور شفقت شاملِ حال نہ ہوتی تو یہ کامیابی ناممکن تھی --- ان مراحل سے صرف دو کا تذکرہ بے جا نہ ہوگا۔

ایک روز حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی خدمت میں حاضر تھا۔ فرمانے لگے بیٹے آؤ، حضرت جنید بغدادیؒ کی خدمت میں حاضری دیں۔ وہاں پہنچے تو مصافحہ کے فوراً بعد انہوں نے اپنے سامنے دھرے ہوئے دو ٹوکروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا --- ''جونسا چاہو ایک ٹوکرہ اٹھا لو'' --- ایک شاداب پھولوں اور دوسرا

کانٹوں سے بھرا ہوا تھا --- میں نے بلا تامل عرض کیا --- حضرت! کانٹوں والا ٹوکرہ عطا فرما دیجیے --- فرمایا "دیکھو! ایک ایک کانٹے کی چبھن سہنا پڑے گی۔"
عرض کیا --- وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ --- انشاءاللہ تعالیٰ سہہ لوں گا۔ فرمانے لگے بہت اونچی چیز طلب کی ہے آپ نے --- پھر فرمایا آپ کو خواجہ حسن بصریؒ طلب فرما رہے ہیں --- کانٹوں والا ٹوکرہ اٹھائے ان کی خدمت میں پہنچ گیا --- آپؒ کے ہاتھ میں قرآن کریم تھا --- دست بوسی کے لیے آگے بڑھا تو آپؒ نے سینے سے لگا لیا --- میری پیشانی چومی، اپنے پاس بٹھایا اور قرآن کریم عطا فرما دیا --- ٹوکرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ بڑے خوبصورت پھول ہیں --- یہ کہاں سے ملے؟ عرض کیا حضرت! یہ تو کانٹوں سے بھرا ہوا ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ نے عطا فرمایا ہے --- فرمانے لگے --- یہ کانٹوں سے پھولوں میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ دیکھا تو واقعی یہ شاداب پھولوں سے لدا ہوا تھا۔ مزید فرمایا کہ یہ تمہارا کڑا امتحان تھا۔ اگر تم پھولوں کا ٹوکرہ طلب کر لیتے تو وہ تمہارے حق میں کانٹے ثابت ہوتا --- تم نے بڑی ہمت اور جرأت کا ثبوت دیا ہے --- میرا قرآن کریم اس امتحان میں تمہاری کامیابی کا انعام ہے --- انہوں نے فرمایا --- حضور ﷺ آپ کو یاد فرما رہے ہیں --- ان کی معیت میں خدمتِ اقدس میں پہنچا --- دربار سجا تھا --- اکابر انبیاءِ کرامؑ، خلفاءِ راشدینؓ، صحابہ کرامؓ اور مشائخِ عظامؒ موجود تھے --- دست بوسی کے لیے آگے بڑھا تو حضور ﷺ نے پیشانی چومی، پیٹھ تھپتھپائی، اپنے دستِ مبارک سے میرے سر پر اپنے پاس سے ایک سبز رومال باندھا اور پھر زریں کلاہ پر بندئی ہوئی سنہری رنگ کی طرۂ دار دستار جس کے اگلے حصہ میں ایک شوخ رنگ کا جگمگاتا ہوا ہیرا ٹنکا تھا، اپنی میز سے اٹھائی اور میرے سر پر رکھ دی --- اور پھر دربارِ الٰہی میں

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہاتھ مبارک دعا کے لیے اٹھ گئے --- کیا خبر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مالکِ کائنات سے کمالؔ کے لیے کیا کچھ مانگا --- اتنا جانتا ہوں کہ اس کے بعد فقیر کے سامنے ہر مشکل آسان تر ہوتی گئی اور روحانی فتوحات کے دروازے کھلتے چلے گئے۔

حضرت جیؒ سے منسلک ہونے سے پہلے اگرچہ عمر کا زیادہ حصہ غفلت میں گزرا۔ تاہم کئی بار تنہائی میں اُمتِ مسلمہ کی زبوں حالی پر سوچ سوچ کر پریشان ہو جاتا اور آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے --- حضوری کے ان چند لمحوں میں دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے اُمتِ مسلمہ کے اتحاد و ترقی کی دعا مانگتا رہتا۔ جب نماز کا باقاعدہ آغاز ہوا تو ہر نماز اور ذکر کے بعد پہلی دعا اُمتِ مسلمہ کی مغفرت، دوسری اتحادِ اسلامی، نفاذِ اسلام، غلبۂ اسلام اور تیسری درود شریف میں استقامت کا معمول بن گیا۔ جب سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھے نئی ڈیوٹی عطا فرمائی تھی --- میں روضۂ اطہر اور بالائی منازل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں بارہا اُمتِ مسلمہ کی مغفرت، نفاذِ اسلام، اتحادِ اسلام اور غلبۂ اسلام کی دعا کرا چکا تھا۔ مندرجہ بالا واقعہ سے چند دنوں کے بعد حسبِ معمول سحری کے ذکر میں مراقبہ روضۂ اطہر کے دوران دربارِ اقدسؐ میں باریاب ہوا۔ خلفاءِ راشدینؓ، حضرت امام حسنؓ، حضرت امام حسینؓ، انبیائے کرامؑ اور اولیائے کبارؒ موجود تھے۔ فقیر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے تھوڑے فاصلے پر دوزانو بیٹھا درود شریف کا نذرانہ پیش کر رہا تھا کہ اچانک حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا --- ''کمال بیٹے! اُمتِ مسلمہ کی مغفرت کی دعا کرو۔'' --- میں ایک لمحہ کے لیے بوکھلا کر رہ گیا --- یک لخت نہ جانے کتنے خیالات دماغ میں گھوم گئے --- مگر فوراً سنبھلا، اٹھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عین قدموں میں بیٹھ کر درخواست پیش کی --- یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مجھے اپنے نعلین مبارک عطا فرمائیے --- میری اس عجیب و غریب درخواست پر حاضرین جیسے حیران

رہ گئے۔ ”بیٹے! جوتوں کو کیا کرو گے۔“ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شفقت سے پوچھا ---
”میں انہیں دعا کے لیے وسیلہ بناؤں گا --- آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ دیر متامل رہ کر نعلین مبارک مجھے عطا فرما دیے۔ میں نے دونوں مبارک جوتوں کو چوما اور ایک دوسرے میں اُڑس کر اپنے سر پر رکھ لیا اور بارگاہِ الٰہی میں دستِ دعا بلند کیے --- یا اللہ پہلے میں رات کی تنہائیوں میں آپ سے اُمتِ مسلمہ کی مغفرت کی دعا کیا کرتا تھا۔ آج تیرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق دعا مانگ رہا ہوں۔ ان کے حضور بیٹھ کر تیرے مقرّبین کے سامنے تیری بارگاہ میں التجا کر رہا ہوں۔

یا اللہ! اپنے فضل و رحمت کے طفیل اور اپنے حبیب سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان جوتوں کے صدقے حضرت آدمؑ کے پہلے اُمّتی سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری اُمّتی تک تمام اُمتِ مسلمہ کی مغفرت عطا فرمایئے۔

”چند ہزار کو بخش دیا۔“ --- جواب ملا۔ عرض کیا --- ”یا اللہ تیرا خزانۂ رحمت بے پایاں ہے --- فقیر کا سوال تو ساری اُمّت کے لیے ہے“ --- جواب آیا ”چند لاکھ کو بخش دیا۔“

عرض کیا --- ”یا اللہ! میرے مالک تیرے فضل و رحمت کا سمندر بیکراں ہے اور فقیر کا سوال وسیع ہے --- یہ تو سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم --- والی بات ہے۔“ --- آواز آئی --- ”ساری اُمّت کی مغفرت کرانے کے لیے تمہیں جہنم سے گزرنا پڑے گا۔“ مجھے یوں لگا جیسے مالک و بندہ کے اس مکالمہ پر زمان و مکان تھم گئے ہوں --- پوری کائنات سنّاٹے میں آ کر گوش بر آواز ہو۔

ایک لمحہ ضائع کیے بغیر عرض کیا --- ”یا اللہ! مجھے منظور ہے۔“ ”سوچ لو، کیا کہہ رہے ہو۔“ --- آواز آئی۔

عرض کیا "میرے اللہ! اگر ساری اُمت کی بخشش کے بدلہ میں ایک کمالؔ کو جہنم سے گزرنا پڑے تو یہ بہت سستا سودا ہے۔"

آواز آئی ---" کامیاب ہو گئے۔ بے حساب کو بخش دیا ---- اور جو چاہو مانگو۔" مجھ پر رِقّت طاری تھی --- رحمتِ حق جوش میں آ چکی تھی۔ میری طلب بھی بڑھ گئی۔ ہچکیاں لیتے ہوئے عرض کیا۔" الٰہی حضور ﷺ کے صدقے پاکستان کو اندرونی و بیرونی خطرات سے محفوظ فرما ---- اسے زبردست قوّت عطا فرما، اسے اسلام کا قلعہ بنا دے۔ افغانستان، کشمیر، وسطِ ایشیا کی اسلامی ریاستوں، فلسطین اور سنکیانگ کو آزادی عطا فرما --- بھارت کے ٹکڑے ٹکڑے فرما دے۔ بھارت، فلپائن اور اریٹیریا کے مسلمانوں کو امن وسکون نصیب فرما۔ ریاست ہائے متحدہ اسلامیہ مدینہ منوّرہ قائم فرما۔ عالمِ اسلام میں نفاذِ اسلام فرما، اسلام کو غلبہ عطا فرما، اسلام کا نور چار دانگِ عالم میں پھیلا دے۔ دشمنانِ اسلام کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملا دے۔ یا اللہ! مجھے حضور ﷺ پر ہر آن زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھنے کی سعادت نصیب فرما۔"

" آمین" --- حضور ﷺ کی زبانِ مبارک سے لفظ ---" ایں دعا از من و از من جملہ جہاں آمین باد" کے مصداق تھا --- یوں محسوس ہوا جیسے کائنات ایک خوشبو سے معمور --- ایک نور سے منوّر ہو گئی ہو۔

" قبول ہے" --- یہ مقدّس آواز کیا گونجی --- یوں لگا جیسے دم سادھی ہوئی کائنات میں یک دم مسرّت کی لہر دوڑ گئی ہو۔ حضور ﷺ نے بے اختیار آگے بڑھ کر مجھے سینے سے لگا لیا اور میری پیشانی پر مہرِ" شفقت ومحبت" ثبت فرما دی۔ خلفاءِ راشدینؓ --- اور انبیائے کرامؑ نے بھی باری باری گلے لگایا۔ خصوصاً حضرت امام حسینؓ

کی وارفتگی کا کچھ عجب رنگ تھا۔ مجھ پر رقّت طاری تھی اور میری اس رقّت میں جیسے وہ برابر کے شریک ہوں---بعد میں بتایا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صدقے مجھ ناچیز کو بخشی گئی نسبتِ مستجاب الدّعوات، نسبتِ مغفرت اور نسبتِ تحدیث (کلامِ باری تعالیٰ کی تکمیل) کا یہ عظیم الشّان اظہار تھا۔

ایک کتاب میں "مسبعات عشر" (سات سات مرتبہ پڑھی جانے والی دس چیزوں) کا وظیفہ دیکھا---اس کے بہت سے فضائل درج تھے---اس کی اہمیت کا احساس دلانے کے لیے لکھا گیا تھا کہ اس وظیفہ کو حضرت امام غزالیؒ نے "احیاء العلوم" اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے "غنیّۃ الطّالبین" میں درج فرمایا ہے۔ میں نے "غنیّۃ الطّالبین" میں تلاش کیا تو حضرت شیخؒ نے اسے حضرت ابراہیم تمیمیؒ سے منسوب کرتے ہوئے ان کا ایک واقعہ قلمبند کیا کہ حضرت موصوف کعبہ شریف میں بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت خضرؑ آئے، اپنا تعارف کرایا اور انہیں یہ وظیفہ عطا کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ وظیفہ انہیں براہِ راست حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے نصیب ہوا ہے--- پھر خواب میں حضرت تمیمیؒ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی انبیائے کرامؑ اور ملائکہ کی معیت میں زیارت نصیب ہوئی اور تصدیق فرمائی کہ حضرت خضرؑ اہلِ زمین میں سب سے بڑے عالم ہیں، رئیس الابدال ہیں، وہ جو کچھ کہتے ہیں حق ہوتا ہے اور یہ کہ جو کوئی بلاناغہ اسے اپنا معمول بنائے گا اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ معاف فرمائے گا اور اسے جنت میں محل عطا فرمائے گا--- اور پھر خواب ہی میں موصوف نے جنت کے اس محل کو دیکھا جہاں پھلوں اور مشروبات سے ان کی تواضع کی گئی--- اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مزید تصدیق فرمائی کہ حضرت تمیمیؒ کی طرح جو کوئی بھی اس وظیفہ کو اپنائے گا اسے آخرت میں اس انعام سے نوازا جائے گا۔

فقیر نے یہ بیان پڑھا تو دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ حضرت خضر علیہ السلام سے براہِ راست اجازت حاصل کرنا چاہیے--- چنانچہ حضرت موصوف کی خدمت میں روحانی طور پر حاضر ہو کر اس کی اجازت ونسبت کی درخواست کی---انہوں نے فرمایا بیٹے! میں آپ کو اس کی اجازت نہیں دے سکتا---آپ براہِ راست حضور ﷺ سے رجوع کیجیے--- میں آزردہ خاطر تو ہوا مگر دوسرے لمحے حضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں پہنچ کر عرض کیا --- یا رسول اللہ ﷺ میں نے وظیفہ مسبعات عشر کی اجازت حضرت خضر علیہ السلام سے چاہی ہے، مگر انہوں نے آپؐ سے رجوع کرنے کا مشورہ دیا ہے۔ اس لیے حاضرِ خدمت ہوگیا ہوں --- حضور ﷺ نے تبسم کرتے ہوئے فرمایا---" بیٹے مسبّعات کی بجائے تمہیں مخمسات کی اجازت اور نسبت عطا کی جاتی ہے۔" (پھر مندرجہ ذیل مخمسات عشر (پانچ پانچ بار پڑھی جانے والی دس چیزیں) کا وظیفہ عنایت فرمایا:

(1) سورۃ الفاتحہ (2) سورۃ الکوثر (3) سورۃالاخلاص

(4) سورۃ الفلق (5) سورۃ النّاس (6) کلمہ طیبہ

(7) کلمہ تمجید (8) اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ

(9) رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ

(10) اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ

وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ

عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے یہ نسبت واجازت دوسروں تک منتقل کرنے کی اجازت عطا فرمائی جائے۔ خواہ کوئی میرے حلقۂ بیعت میں شامل نہ بھی ہو--- جو شخص بھی اسے میری کتاب سے پڑھے یا کسی سے سنے اسے اس کی نسبت نصیب ہو

جائے --- اور یہ فیض قیامت تک جاری رہے --- حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک لمحے کے لیے جیسے آنکھیں بند کی ہوں۔ پھر آنکھیں کھولیں اور شاباش کے انداز میں میرے کندھے کو تھپتھپاتے ہوئے فرمایا --- "بیٹے میں تمہاری طلب پر خوش ہوں۔" --- میں نے عرض کیا "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جو شخص مخمسات کو اپنائے گا کیا اسے بھی مسبعات کے مطابق اجر ملے گا؟"

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مسکراتے ہوئے فرمایا --- "ہاں! اسے مسبّعات کی نسبت ایک سو ایک گنا زیادہ اجر عطا کیا جائے گا" --- اللہ اکبر! بے اختیار میری زبان سے نکلا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن۔

میرا ایک روحانی شاگرد میرے پاس بیٹھا ہوا تھا --- میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت ابراہیم تیمیؒ کو تو خواب میں بطورِ اجر جنت کا منظر دکھا دیا گیا تھا۔ میری درخواست ہے کہ مخمسات کا اجر اس کو بیداری میں دکھا دیجیے --- حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پھر مسکرائے اور فرمایا --- اچھا اسے مراقبہ کراؤ --- میں نے اسے کہا --- بیٹے! مراقبہ کرو --- اور بتاؤ تمہیں کیا منظر دکھائی دے رہا ہے۔ کہنے لگا۔ حضرت جی! میں جنت میں موجود ہوں۔ یہاں پر بہت سے باغات اور محلّات نظر آ رہے ہیں ---

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۔ اَوَّلُ کُلِّ شَیْئٍ وَ بَعْدَ کُلِّ شَیْئٍ ، یَبْقٰی وَ یَفْنٰی کُلَّ شَیْئٍ اَبَداً اَبَداً یَا ذَالْجَلَالِ وَ الْاِکْرَامِ بِیَدِكَ الْخَیْرِ، اِنَّكَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْر

"تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو ہر چیز سے پہلے تھا اور ہر چیز کے بعد بھی ہو گا، جو ہر چیز کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قائم رکھتا اور فنا کرتا ہے۔ اے صاحبِ جلال واکرام! تیرے ہاتھ میں سب بھلائی ہے۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔"

میں مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک ساتھی نے آ کر بتایا --- کالج سے ہاسٹل آتے ہوئے میں ایک لڑکے کو دعوتِ ذکر دے رہا تھا اور وہ غور سے میری باتیں سنتا ہوا میرے ساتھ چلا آ رہا تھا کہ اچانک ابلیس سامنے کھڑا ہو کر ڈگڈگی بجانے لگا۔ اس پر وہ لڑکا یکدم یہ کہہ کر بھاگ کھڑا ہوا کہ اسے ایک بہت ضروری کام یاد آ گیا ہے۔ اس پر شیطان خوشی سے ناچنے لگا۔ اب وہ باہر سڑک کے اس پار کیکر کے نیچے کھڑا مجھے اشاروں سے منع کر رہا ہے کہ آپ کو نہ بتاؤں --- میں نے کہا اب اسے دیکھتے رہو اور ''اللہ'' کی ضرب لگائی۔'' اسے ایک زنّاٹے دار تھپڑ لگا ہے جس سے وہ بھوانٹیاں کھاتا ہوا گرا۔ جلدی سے اٹھا اور تیزی سے بھاگتا ہوا نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے۔'' --- اس نے بتایا۔

2/مارچ 1984ء کو حضرت جیؒ اور حضرت باباجیؒ سے روحانی رابطہ قائم ہوا اور مسلسل خصوصی تربیت جاری ہو گئی --- 8/اپریل 1984ء کو حضور ﷺ نے ناچیز کو قلمدان قطبِ وحدت سے نوازا۔ 22/دسمبر 1984ء کو بہت سے مشائخ نے اسنادِ خلافت --- اور دربارِ اقدسؐ سے خصوصی سندِ اجازت عطا ہوئی۔ 18/فروری 1985ء کو اعلانِ خلافت کا حکم ہوا۔

پھر خوشبو پھیلتی رہی، سلسلہ متعارف ہوتا رہا، حتیٰ کہ 7/اکتوبر 1986ء کو حضور ﷺ نے حکم فرمایا کہ اپنے دس ساتھیوں کو ذکر کرانے کی اجازت دے دوں۔ چنانچہ تعمیل ارشاد کے لیے اسی روز ہفت روزہ اجتماع ذکر میں ناچیز نے ان احباب کے ناموں کا اعلان کیا۔

دوسرے دن ایک صاحبِ کشف ساتھی نے آ کر ایک دوسرے ساتھی کو مبارک باد دی۔ اس نے پوچھا تمہیں کس نے بتایا؟

اس نے بیان کیا --- ''میں گھر میں لیٹا ہوا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ آج تو ساتھیوں کا اجتماع ہے۔ میں شریک نہیں ہو سکا۔ چنانچہ میں نے مراقبہ کر کے رابطہ قائم کیا تو اس وقت حضرت جیؒ ساتھیوں کو مخاطب کر کے فرما رہے تھے --- زندگی کا کچھ پتہ نہیں کب بلاوا آ جائے اس لیے فی الحال دس ساتھیوں کو ذکر کرانے کی اجازت دے رہا ہوں اور انہوں نے جن ساتھیوں کے نام گِنوائے، ان میں آپ کا بھی نام شامل تھا۔''

''انوار الاصفیاء'' میرے پاس پڑی تھی۔ یونہی کھولی تو حضرت خواجہ بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ کے حالات میں ان کے ایک مرید حضرت حسن افغانیؒ کا تذکرہ تھا کہ اَن پڑھ تھے مگر ان کے سامنے کوئی قرآنِ کریم یا حدیث شریف پڑھتا تو اپنے نورِ باطنی سے بتا دیتے۔ اور خواجہ موصوف اس شاگرد کے متعلق فرمایا کرتے کہ یہ میری زندگی کی کمائی ہے۔

میں نے پاس بیٹھے ہوئے ایک صاحب کو یہ واقعہ پڑھوایا تو بہت متاثر ہو کر کہنے لگے --- ہاں جی! اللہ کے بندوں کی کیا بات ہے --- باہر برآمدہ میں میرا ایک روحانی شاگرد اپنے ذکر و فکر میں مشغول تھا۔ میں نے ان سے کہا کہ ابھی میں ایک ساتھی کو بلاتا ہوں۔ آپ اس کے سامنے ایک آیت کریمہ اور ایک حدیث شریف پڑھیے گا۔ سو انہوں نے اس کے سامنے پہلے آیت کریمہ اور پھر ایک حدیث شریف پڑھی۔ اس نے بتایا کہ پہلی بار آپ کے منہ سے انوارات نکل کر کعبہ شریف اور وہاں سے عرش عظیم کی طرف چلے گئے۔ دوسری بار یہ انوارات سیدھے روضۂ اطہر پر پہنچے۔

ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ط (سورۃ الحدید، 57-21)

''یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے۔''

تصوّف وسلوک کی راہ میں صوفی وسالک کے لیے رزقِ حلال بہت ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں ایک واقعہ کا ذکر بے جا نہ ہوگا۔ میرے کالج کے ایک ملازم کو اللہ تعالیٰ نے کشف کے خاص انعام سے نوازا ہے --- ایک دن صبح ڈیوٹی پر آیا تو کہنے لگا --- دَم کیجیے۔ پوچھا کیا ہوا؟ کہنے لگا کل شام گھر جاتے ہوئے ایک دوست ساتھ والے کھیت سے باجرے کے سٹے توڑ لایا۔ اس نے ایک سٹہ مجھے بھی دے دیا۔ جونہی میں نے مروڑ کر دانے چبائے میری ساری بتیسی میں درد شروع ہو گیا --- ساری رات درد سے سو بھی نہیں سکا --- اور کشف بھی ختم ہو گیا ہے --- ساری رات ذکر کرتا رہا کہ نحوست ختم ہو مگر کچھ نظر نہیں آتا --- پہلے جب چاہتا گھر بیٹھ کر آپ سے رابطہ قائم کر لیتا تھا، اپنی روح منور نظر آتی تھی۔ مگر کل شام سے تاریکی چھا گئی ہے نہ تو اپنی روح نظر آتی ہے اور نہ ہی آپ سے رابطہ قائم ہو سکا --- مغرب اور صبح کے ذکر میں کعبہ شریف اور روضۂ اطہر کی زیارت بھی نصیب نہیں ہوئی --- میں خفا ہوا کہ اس کے لیے تو یہ عام سی بات تھی --- مگر تم تو ماشاءاللہ صاحبِ بصیرت ہو۔ تمہیں حلال و حرام میں تمیز کرنا چاہیے --- تم نے سوچا ہوگا کہ ایک سٹہ ہی تو ہے اس سے کیا فرق پڑے گا --- پھر اسے استغفار پڑھنے کو کہا۔ بعد ازاں اس کے سینے پر ہاتھ پھیرا تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جوتوں کے صدقے کشف کی پہلی کیفیت فی الفور بحال ہو گئی۔

میری کلاس کے ایک طالب علم نے بھی میری بیعت کر لی تھی۔ اس نے چند دن میرے ساتھ ذکر کیا اور پھر بسلسلہ ملازمت کراچی چلا گیا۔ اسے بھی اللہ تعالیٰ نے کشف کی نعمت سے نواز دیا۔ رمضان شریف 1986ء کے بعد وہ جہلم آیا اور ایک واقعہ سنایا --- رمضان شریف میں ایک عزیز سے مل کر آرہا تھا۔ بارہ بجے کا وقت تھا۔

دھوپ تیز تھی اور کوئی سواری نہیں تھی۔ میں ستانے کے لیے درختوں کے ایک جھنڈ تلے سائے میں لیٹ گیا۔ مجھے نیند آ گئی۔ خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ آئے ہیں۔ انہوں نے فرمایا میں نے تمہاری ٹوپی میں کوئی چیز رکھی ہے، جاگ کر اٹھا لینا۔ اچانک آنکھ کھل گئی، دیکھا تو میری ٹوپی میں چار کھجوریں رکھی تھیں --- میں اٹھا اور اپنی رہائش گاہ پر چلا گیا۔ وہاں تین ساتھی بھی تھے۔ افطار کے وقت میں نے تینوں کو ایک ایک کھجور دے دی۔ ان میں سے ایک بے روزہ تھا۔ وہ کھجور چباتا رہا مگر اس کے حلق سے نیچے نہ اتری اور تنگ آ کر اس نے منہ سے نکال کر اسے ایک طرف پھینک دیا۔ جبکہ ہم تینوں نے کھالیں --- ان کے کھانے سے ہم تینوں کی شکم سیری کی یہ کیفیت ہوگئی کہ جیسے ہم نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور شربت پی لیا ہو --- اس ایک ایک کھجور کے علاوہ ہم تینوں نے اس رات نہ تو کھانا کھایا اور نہ پانی پیا۔

میں نے پوچھا اس بزرگ کا حلیہ کچھ ذہن میں ہے؟ کہنے لگا --- جی ہاں! میں نے بتایا کہ وہ حضرت خضرؑ تھے --- ملاقات کرو گے؟ وہ حیران سا ہوا۔ میں نے کہا آنکھیں بند کرو --- اور وہی خواب دیکھو --- اب تمہیں وہ بزرگ نظر آئیں گے۔ اس نے آنکھیں بند کیں۔ کہنے لگا وہی خواب دیکھ رہا ہوں، بزرگ نظر آ رہے ہیں، ٹوپی میں کھجوریں رکھ رہے ہیں۔ میں نے کہا کہ اب آنکھیں کھول دو۔ چند منٹ بعد دوبارہ میں نے کہا آنکھیں بند کرو۔ اور میرے ساتھ چلو۔ اب کہاں پہنچے ہو؟ میں نے پوچھا۔ کہنے لگا ایک جزیرہ ہے جس پر قلعہ نما محل ہے --- اس کے گیٹ پر کھڑے ہیں۔ یہاں پہریدار بھی موجود ہیں۔ اب وہی بزرگ تشریف لائے ہیں۔ ان کے ساتھ ایک اور بزرگ بھی ہیں۔ دونوں آپ سے گلے مل رہے ہیں --- اندر چلنے کا اشارہ کر رہے ہیں --- میں نے بتایا کہ یہ حضرت خضر علیہ السلام اور ساتھ حضرت الیاس علیہ السلام ہیں

--- یہ ان دونوں کا روحانی ہیڈ کوارٹر ہے--- ولایت کے سلسلہ قلندریہ کو فیض انہی سے نصیب ہوتا ہے---آج ان کے ہیڈ کوارٹر کی بھی سیر کرلو۔

؎ لباس فہم بر بالائے او تنگ
سمندِ فہم در صحرائے او لنگ

(فہم دا چولا اس دے تن تے ہور وی تنگ ہو جاندا
وہم دا گھوڑا اس صحرا وچ قدم قدم لنگڑاندا)

دربارِ اقدسؐ سے جب مجھے سلسلہ تلقین وارشاد پر مامور فرمایا گیا تو میں نے اپنے تئیں روحانی نصاب کی درجہ بندی یوں کی تھی کہ پہلے سال لطائف، دوسرے سال مراقباتِ ثلاثہ اور تیسرے سال سیرِ کعبہ، روضۂ اطہر، دربارِ اقدسؐ میں پہنچایا کروں گا ---مگر اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا--- میری کلاس کا ایک طالبِ علم کہ اسے میری بیعت کرنے کی تیسرے نمبر پر سعادت حاصل ہوئی، کسی وجہ سے بیعت کے چند روز بعد تک کالج نہ آسکا۔ اس لیے میرے ساتھ ملاقات نہ ہو پائی --- ایک روز نمازِ فجر کے بعد پہنچ گیا--- میں نے خلافِ معمول علی الصبح آنے کی وجہ پوچھی تو کہنے لگا:

''کل رات میں نے خواب دیکھا کہ آپ ہمارے گھر تشریف لائے، مجھے جگایا اور نمازِ تہجد پڑھنے کی تاکید کی---اس کے ساتھ ہی میری آنکھ کھل گئی--- اٹھا، وضو کیا، نوافل ادا کیے اور صبح کی اذان تک ذکر کرتا رہا---آج پھر آپ خواب میں آئے --- مجھے فرمایا کہ تم کئی روز سے میرے پاس نہیں آئے--- میں نے تمہیں اگلا سبق دینا ہے--- پھر آپ مجھے ساتھ لے کر کعبہ شریف پہنچے۔ وہاں نوافل ادا کیے، طواف کیا، آبِ زمزم پیا، غارِ حرا پر گئے وہاں نفل پڑھے--- اور پھر میری آنکھ کھل گئی--- دیکھا تو بالکل کل والا ہی وقت تھا۔ سو اٹھا، نفل پڑھے، ذکر کرتا رہا، پھر مسجد میں گیا، نماز

ادا کی۔اس خواب سے دل مسرّت کے احساسات سے معمور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اتنی مقدّس زیارتیں نصیب ہوگئی ہیں---اس لیے آپ کو یہ کیفیت بتانے حاضر ہوا ہوں۔"

"بیٹے! یہ تو بہت اعلیٰ مقامات ہیں۔میرا تو خیال تھا کہ تین سال کی تربیت کے بعد یہ اسباق دوں گا--- بہر کیف اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور ہے---آؤ مسجد چلتے ہیں۔" ہم کمرے سے مسجد میں آ گئے--- میں نے اسے پانچ منٹ کے لیے سب لطائف پر ذکر کرایا---بعدازاں اسے کہا--- تیار ہو جاؤ! اب ہم اپنا روحانی سفر شروع کر رہے ہیں---چلو مقامِ احدیّت---پوچھا کچھ محسوس ہوا--- کہنے لگا --- سفید سنگِ مرمر کی مسجد کے گیٹ کے باہر کھڑے ہیں--- میں نے بتایا یہ ساتوں آسمانوں سے بلند تر مقام ہے--- پھر مقامِ معیّت، مقامِ اقربیّت کی سیر کرائی۔ وہاں سے کعبہ شریف لایا---اس نے مشاہدہ کیا اور بتایا کہ بالکل رات خواب والا منظر دیکھ رہا ہوں---طواف کرایا، پانی پلایا، غارِ حرا میں نوافل ادا کیے۔ پھر یہاں سے پہلے آسمان پر بیت العزۃ، ساتویں آسمان پر بیت المعمور، سدرۃ المنتہیٰ، کرسی اور لوحِ محفوظ مشاہدہ کرائے۔واپس کعبہ شریف لے آیا---دل میں خواہش پیدا ہوئی --- کاش! اس نے چہرے کو داڑھی کی سنت سے مزیّن کیا ہوتا --- میں اسے روضۂ اطہر پر لے جاتا---اتنے میں حضور ﷺ کی آوازِ مبارک فردوس گوش ہوئی---"بیٹے! اسے بچہ بنا کر ساتھ لے آؤ۔"

اب یہ تصرّف کا بالکل انوکھا مرحلہ تھا۔میں نے اس قسم کا واقعہ نہ کہیں پڑھا نہ سنا تھا---سو تذبذب میں پڑ گیا--- پھر آواز آئی "بیٹے! ٹھیک سمجھ رہے ہو--- اسے میرے پاس لے آؤ۔"

میں نے کہا ---"تم اپنے آپ کو چار سال کا بچہ سمجھو اور میرے ساتھ روضۂ اطہر پر چلو" --- پوچھا کچھ نظر آیا؟ "جی ہاں! میں فوراً بچہ بن گیا ہوں --- اور آپ کی انگلی پکڑ کر روضۂ مبارک پر پہنچ گیا ہوں۔" --- اتنے میں دروازہ کھلا، کہنے لگا --- اب دروازہ کھل گیا ہے۔ میں نے کہا اندر چلو۔ سو اندر گئے۔ حضور ﷺ مع حضرات خلفاءِ راشدینؓ تشریف فرما تھے --- وہ سب کی زیارت سے مشرّف ہوا --- اور اس کے بعد یہ نعمتِ عظمیٰ اسے روزانہ صبح و شام حاصل ہو رہی ہے --- یہ پہلی کرامت تھی۔

میں مسجد میں بیٹھا تھا --- ایک شخص آیا --- میں نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھائے --- بغیر کسی تمہید کے کہنے لگا --- "ہمارے سلطان صاحبؒ کی ایک کرامت ہے۔" میں اس کے اندازِ گفتگو سے کچھ حیران سا ہوا --- اور کہا بھلے آدمی پہلے اپنا تعارف تو کراؤ --- کہنے لگا۔

"میں کنتریلہ کا رہنے والا ہوں، حضرت سلطان باہوؒ کا عاشق ہوں۔ میری محبت کا اندازہ آپ اس امر سے لگا سکتے ہیں کہ پہلی بار میں یہاں سے سلطان صاحبؒ کے مزار پر پیدل گیا تھا۔" پھر کیا ہوا؟ میں نے پوچھا۔

"کئی دنوں کے سفر سے پاؤں میں چھالے پڑ گئے تھے۔ شام کو وہاں پہنچا --- لنگر تقسیم ہو رہا تھا۔ میں بھی چوکی میں بیٹھ گیا۔ مگر کھانا تقسیم کرنے والا میرے ساتھ درشتی سے پیش آیا۔ میں آزردہ خاطر ہو کر وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا --- اور افسردگی کے عالم میں مزار پر جا کر بیٹھ گیا --- بیٹھے بیٹھے میری آنکھ لگ گئی --- اور مجھے سلطان صاحبؒ کی زیارت ہوئی۔ آپ نے مجھے دلاسا دیا اور بہت شفقت فرمائی --- یہ خواب میں نے پیر صاحب کو سنایا تو انہوں نے بھی بہت دلجوئی کی۔"

اچھا اب سلطان صاحبؒ کی کرامت بیان کرو۔" سلطان صاحبؒ سے کسی مسافر نے ایک گاؤں رسول نگر کا راستہ پوچھا۔ آپ نے اسے کہا--- آنکھیں بند کر۔ اس نے آنکھیں بند کیں--- تو اسے حضور ﷺ کے روضۂ اطہر کی زیارت ہو گئی۔ آپؒ نے فرمایا میرا رسول نگر تو یہ ہے۔" میں نے کہا حق ہے۔ میں نے پوچھا--- کسی اور بزرگ کی بھی زیارت کی ہے؟ کہنے لگا جی ہاں! حضرت خضرؑ کی بھی زیارت نصیب ہوئی ہے--- میں نے کہا اپنا خواب بیان کرو--- کہنے لگا:

"خواب دیکھا کہ میں کسی سڑک پر جا رہا ہوں--- سڑک کے کنارے پر ایک درخت کے نیچے ایک بزرگ تشریف فرما ہیں اور بہت سے لوگ ان کے پاس بیٹھے ہیں--- میں نے کسی سے پوچھا یہ کون بزرگ ہیں--- اس نے بتایا کہ حضرت خضرؑ ہیں--- چنانچہ میں بھی دست بوسی کے لیے چلا گیا--- آپ کے پاس پانی کا گھڑا پڑا ہوا تھا جونہی میں قریب پہنچا تو آپ نے گھڑے سے پانی کا پیالہ بھرا اور میری طرف بڑھایا--- مگر پیالہ پکڑنے کی بجائے میری زبان سے نکلا--- یہ تو تھوڑا ہے --- اور پھر میری آنکھ کھل گئی۔"

فقیر نے فوراً حضرت خضرؑ سے رابطہ قائم کرتے ہوئے پوچھا" حضرت! کیا واقعی اس شخص نے خواب میں آپ کی زیارت کی ہے؟"

انہوں نے فرمایا---" ٹھیک کہہ رہا ہے۔" میں نے عرض کیا---" حضرت! یہ تو میری کوئی کرامت دیکھنے کے لیے آیا ہے۔"

" آپ دکھائیں --- میں آتا ہوں۔" --- اتنے میں حضرت خضرؑ تشریف لا کر میرے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے حضرت سلطان باہوؒ اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ بھی تشریف لے آئے۔ سب کے لبوں پر عجیب معنی خیز مسکراہٹ کھل رہی تھی۔

میں نے اسے کہا --- اچھا یہ بتاؤ کہ بالفرض یہاں حضرت خضرؑ تشریف لے آئیں اور یہاں پر کچھ اور بھی بزرگ موجود ہوں تو کیا تم پہچان لو گے؟ --- کہنے لگا --- جی ہاں --- میں نے کہا آنکھیں بند کرو اور دیکھو یہاں حضرت خضرؑ تشریف فرما ہیں --- مشاہدہ کرلو۔

قارئین! آپ اس عجیب وغریب اور نازک صورت حال کا خوب اندازہ کر سکتے ہیں۔ اگر اس کو زیارت نہ ہوتی تو نجانے میرے خلاف کیسی کیسی باتیں بنائی جاتیں۔

کہنے لگا --- جی ہاں! حضرت خضرؑ تشریف فرما ہیں۔ زیارت ہوگئی --- میں نے پہچان لیا ہے۔

میں نے کہا --- ایک اور بزرگ بھی ہیں --- کہنے لگا --- سلطان صاحبؒ ہیں --- میں نے کہا۔ تیسرے بزرگ بھی ہیں۔ کیا نظر آ رہے ہیں؟ کہنے لگا جی ہاں حضرت غوث الاعظمؒ ہیں --- میں نے کہا آنکھیں کھول دو اور بتاؤ کہ پہلے دونوں حضرات کو تم نے خواب میں دیکھا تھا، سو پہچان لیا۔

یہ تیسرے بزرگ کوئی اور بھی تو ہو سکتے ہیں --- ہنس کر کہنے لگا --- ''جی بات یہ ہے کہ میں نے حضرت غوث الاعظمؒ کی خواب میں دو دفعہ زیارت کی ہے --- ایک سال پہلے دوسری زیارت ہوئی --- میں ان کی مجلس میں گیا --- بہت سے لوگ تھے --- اور آپ بالکل ان کے ساتھ بیٹھے تھے --- باقی حاضرین کی نسبت آپ کی نشست نمایاں تھی --- اب میں آپ کو دیکھتے ہی پہچان گیا تھا کہ یہ تو وہ صاحب ہیں جن کی میں نے خواب میں وہاں زیارت کی تھی۔''

میں نے اسے کہا کہ تم ولایت کی قلندری شاخ سے تعلق رکھتے ہو۔ یہ حضرت خضرؑ کی لائن ہے --- وہ سربراہ ہیں --- اور تم ان کے وسیع وعریض محکمہ میں

بالکل ابتدائی پوسٹ پر ہو--- جس طرح ایک گاؤں کا پٹواری قصرِ صدارت میں باریابی کا تصور بھی نہیں کرسکتا--- اسی طرح تمہارے خیال میں بھی یہ بات نہیں آسکتی کہ تم کبھی حضرت خضرؑ کے محل میں جاسکتے ہو--- آؤ آج تمہیں وہاں لے چلوں۔

میں نے اسے کہا آنکھیں بند کرو اور میرے ساتھ چلو۔ بتاؤ کہاں پہنچے؟ کہنے لگا سمندر میں ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے۔ اس پر ایک عالیشان قلعہ نما محل ہے۔ گیٹ پر پہرے دار موجود ہیں--- آپ کو دیکھتے ہی وہ سلامی کے لیے اٹن شن ہوگئے ہیں۔ حضرت خضرؑ بھی تشریف لے آئے ہیں۔ آپ سے گلے مل رہے ہیں۔ آپ دونوں آگے آگے جارہے ہیں۔ میں بھی پیچھے ساتھ ہوں۔ وسیع وعریض لان ہے جس میں پھولوں کی کیاریاں ہیں--- ایک بہت بڑے ہال میں داخل ہوگئے ہیں۔ ایک فائل پر حضرت نے اور آپ نے دستخط کیے ہیں۔ وہاں کا سارا منظر دکھانے کے بعد اسے واپس لے آیا۔ پھر میں نے چند منٹ کے لیے اسے ذکر کرایا--- اور اسے آسمانوں کی سیر کراتے ہوئے بیت العزۃ، بیت المعمور، سدرۃ المنتہیٰ کا مشاہدہ کرایا --- کعبہ شریف اور روضۂ اطہر پر لے گیا۔ دربارِ اقدسؐ میں اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قدموں میں پیش کردیا--- وہ زیارت سے مشرّف ہوا--- مراقبہ ختم ہونے پر میں نے اسے کہا--- وہ سلطان باہوؒ کی کرامت تھی--- یہ فقیر کی کرامت ہے۔

حفیظ! اہلِ سخن کب مانتے تھے
بڑے زوروں سے منوایا گیا ہوں

حرفِ آخر

سوال کیا جاتا ہے کہ میں بریلوی ہوں یا دیوبندی؟--- میرا جواب ہے کہ میں سیدھاسادا اہلِ سنّت والجماعت ہوں--- ان دونوں مسالک کی عمر تو سوسال بھی نہیں ہو پائی اور دین چودہ سو سال پرانا ہے۔ فرع چھوڑ، اصول اپنا--- دل آزاری کی بجائے خوئے دل نواز سے کام لے۔ دنیا بھر کی لادینی طاقتیں یک جا ہو کر اسلام پر یلغار کر چکی ہیں اور تو فروعی مسائل پر بھائی کے خلاف کفر و شرک و بدعت کے فتوے داغ رہا ہے، کیچڑ اچھال رہا ہے۔ تو اختلاف کو مٹا کر اتحاد کی رسّی کو کیوں نہیں تھامتا۔ رواداری اور تحمل کیوں نہیں روا رکھتا--- عداوت کی بجائے محبت سے کام لے۔ ہر کلمہ گو اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت کا داعی ہے۔ اس کی محبت کے اظہار کا اسلوب اگر مختلف ہے تو اسے معیوب نہ گردان۔ اعمال کا مدار نیت پر ہے۔ اس کی نیت پر شک نہ کر۔ اسلام کے سات بنیادی عقائد کا تو ہر کوئی قائل ہے--- اس سے آگے اگر بقول تمہارے کسی کے عقیدہ و عمل میں کوئی خامی ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے۔ اللہ رحمٰن ہے، رحیم ہے، غفار ہے، کریم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رؤف ہیں، شفیق ہیں--- تو بھی شفقت کو شعار بنا لے۔ کاش! تیری یہ قوت فسق و فجور اور لادینی طاقتوں کے خلاف صرف ہوتی--- تُو فتووں سے بزعمِ خویش ثواب کما رہا ہے۔ خوش ہو رہا ہے لیکن:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعاً وَّلاَ تَفَرَّقُوْا (سورة آل عمران، 3-103)

"اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔"

--- کے آفاقی حکمِ الٰہی کو نظر انداز کر کے ملت کو کھوکھلا بھی تو کر رہا ہے۔ کشادہ ظرف بن، تنگ نظر نہ بن۔

نئی پود پریشان ہے کہ کونسی مسجد میں نماز ادا کرے۔ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاح کے بلاوے پر جو کوئی اللہ کے گھر کا رخ کرتا ہے اسے مت روک، اسے جانے دے کہ ساری ہی مساجد اللہ کا گھر ہیں، نماز پڑھانے والا کوئی اللہ ہی کا بندہ ہوگا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ہی اُمّتی ہوگا --- اگر اس کے عمل کا کوئی انداز تمہیں نہیں بھاتا، بے شک تو عمل نہ کر مگر اسے بُرا مت سمجھ۔ اللہ کی طرف پیار سے بُلا، حکمت سے بُلا، ڈانگ نہ اُلار۔ ذرا دیکھ تو سہی۔ ہماری اس باہمی مناقشت اور انتشار و خلفشار پر ابلیس کتنا شاداں وفرحاں ہے --- رجال الغیب کتنے پریشان ہیں --- اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کتنے افسردہ ہیں۔ ابلیس اپنے لشکر کو از سرِ نَو منظّم کر رہا ہے --- اپنے چیلوں کو اُکسا رہا ہے۔ آ! میرے پاس آ کہ میں تیرے قلب کی آنکھ کا آپریشن کر کے موتیے کو اتار پھینکوں۔ پھر تو خود ہی دیکھ لے کہ تیری اس سنگباری سے کسی کا سر پھوٹ رہا ہے، تو کسی کا دل ٹوٹ رہا ہے۔ مجھے روس کا خوف ہے نہ امریکہ کا ڈر۔ بھارت کی کیا مجال کہ آنکھ دکھا سکے۔ اسرائیل کی کیا جرأت کہ رعب جما سکے --- میں تو نالاں ہوں تیری روش سے، تیری عاقبت نا اندیشی سے --- سوچ تو سہی انجانے میں تو کس کی خوشی کا باعث بن رہا ہے ---

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ (سورۃ الحجرات، 49–10)

"بے شک مومن تو آپس میں بھائی ہیں۔ پس بھائیوں میں صلح کرادو۔"

--- کے حکمِ الٰہی پر کاربند ہو کر محبت واخوت کے دیپ جلا کہ بڑا اندھیرا ہے۔

تو جو کچھ ظاہر میں دیکھتا ہے --- پہلے وہ باطن میں رونما ہوتا ہے۔ پھر اللہ مسبب الاسباب کے حکم سے بتدریج ظاہری اسباب پیدا ہوتے ہیں --- اور حالات کروٹ بدلتے چلے جاتے ہیں --- یہی تاریخ ہے --- اپنے فروعی اختلافات مٹا --- اتحاد کی رسّی تھام --- پھر دیکھ تو سہی کیا رنگ جمتا ہے۔

8/اپریل 1984ء سے روحانی دنیا میں ہنگامی حالت کا نفاذ ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالمِ جن و انس میں اتحادِ اسلامی اور نفاذِ اسلام اور غلبۂ اسلام کے عظیم الشان منصوبے کی منظوری فرما چکے ہیں---رجال الغیب سرگرمِ عمل ہو چکے ہیں۔ ہر کام ہنگامی بنیادوں پر ہو رہا ہے۔ جنّات سریع الحرکت مخلوق ہے۔ اس لیے تین سالوں پر محیط حق و باطل کے پے در پے شدید معرکوں کے بعد باطل مکمل طور پر مغلوب ہو چکا ہے۔ ریاست ہائے متحدہ اسلامیہ کی تنظیم تشکیل پا کر نفاذِ اسلام ہو چکا ہے---انسان بھی اس سمت میں گامزن ہو چکا ہے مگر مقابلتاً سُست رَو ہے۔ اس لیے اسے مذکورہ منزل تک پہنچنے کے لیے وقت لگے گا۔ آثار ظاہر ہو رہے ہیں۔ اسلام کی نشاۃ الثانیہ کے عظیم الشان دور کا آغاز ہو چکا ہے۔ اس کے نتیجہ میں جو کچھ عالمِ ظاہر میں انشاء اللہ تعالیٰ رونما ہونے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جوتوں کے صدقے فقیر کی چشمِ بصیرت نے دیکھ لیا ہے۔ آ! تو بھی چشمِ تصور ہی سے دیکھ لے۔

اس صدی کے اوائل میں سُرخ عفریت دندناتا ہوا آیا اور وسط ایشیا کی اسلامی ریاستوں کو پامال کر کے رکھ دیا---اس کا حوصلہ بڑھا تو اب افغانستان پر بھی چڑھ دوڑا---خون کی ہولی کھیلنے لگا---مگر خود بھی لہو میں نہا گیا---اپنے کیے پر پچھتا رہا ہے، جان بچا رہا ہے، پلٹ رہا ہے اور سمٹ رہا ہے۔ افغانستان کو چھوڑا اور وسط ایشیا کو چھوڑنا پڑا---اللہ اکبر۔ اب ماسکو کی فضاؤں میں بھی اذانیں گونج رہی ہیں۔ سنکیانگ کے مسلمان بھی بیدار ہو گئے---انہوں نے بھی غیر کی بالادستی کا جُوا اُتار پھینکا---بھارت نے پاکستان کو توڑا---پاکستان تو اللہ تعالیٰ کے فضل اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کرم سے پھر جڑ گیا---پھیل گیا---مگر بھارت ٹوٹ گیا---اب انشاء اللہ تعالیٰ کبھی نہیں جڑے گا۔

امریکہ بھی ایشیاء و افریقہ سے اپنی بساطِ سیاست لپیٹنے پر مجبور کر دیا گیا۔ سرزمینِ امریکہ و یورپ پر بھی نورِ اسلام چھا گیا---برطانیہ و امریکہ نے اسرائیل کی شکل میں جو

ناسورا سلامی دنیا کو دیا تھا، ایک کامیاب آپریشن کے ذریعے نکال کر واپس انہی کی جھولی میں پھینک دیا گیا ہے۔ بھارت، فلپائن اور اریٹیریا کے مسلمان بھی سُکھ کا سانس لینے لگے--- انشاءاللہ تعالیٰ ریاست ہائے متحدہ اسلامیہ قائم ہوگی اور نفاذِ اسلام ہوکر رہے گا اور اس کا سہرا پاکستان کے سر بندھے گا۔

اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡر (سورۃ البقرہ، 2–20)

''بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

میں دیکھ رہا ہوں، بعالم ہوش وحواس دیکھ رہا ہوں--- انشاءاللہ تعالیٰ دنیا بھی دیکھ لے گی--- لیکن کب--- یہ تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے--- انتظار کر--- اُمتِ مسلمہ کا خیر خواہ بن--- بکھیر مت، اکٹھا کر، اللہ کے بندوں--- رجال الغیب کے ساتھ تیرا یہی تعاون ہے---

میں نے آج ایک منظر دیکھا ہے--- آ! تو بھی دیکھ۔ آج جمعۃ المبارک ہے۔ میں کالج کی مسجد میں بیٹھا ہوں۔ کالج گراؤنڈ میں دو ٹیمیں کرکٹ کھیل رہی ہیں۔ اللہ کے گھر سے اذان کی روح افزاء، جان نواز صدا بلند ہوتی ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ سفید کِٹ میں ملبوس نوجوان یک لخت اپنی وکٹیں پلے گراؤنڈ میں چھوڑ چھاڑ کر مسجد کی طرف بھاگے آتے ہیں۔ بظاہر یہ کھلنڈرے، بے فکرے نوجوان ہیں، مگر ان کے دلوں میں ایمان کا نور ان کے چہروں پر دمک رہا ہے۔ یہ میرے شیر بیٹے، میرے یہ شاہین بچے میری آرزو ہیں--- دین کی آبرو ہیں۔ انہیں اللہ کے گھر کی طرف بُلا، مگر پیار سے، حکمت سے۔ اپنے سنگِ فتویٰ سے مت ڈرا، مت بھگا--- نماز کے بعد میں ایک نوجوان سے پوچھتا ہوں--- ''بیٹے! یہ جذبہ عبودیت، یہ ذوق عبادت تمہیں مبارک ہو، تمہیں نماز کی تاکید ابّو نے کی تھی کہ امّی نے؟'' اس کا چہرہ بجھ سا جاتا ہے۔ ''سر! وہ تو خود نماز نہیں پڑھتے مجھے کیا کہیں گے۔''--- اللہ اکبر!

وَاللّٰهُ يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ (سورة البقرہ، 2-213)

"اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔"

یہ کڑیل جوان، یہ البیلا بیٹا میرا مستقبل ہے۔ میرے وطن کا مستقبل ہے، میرے دین کا مستقبل ہے۔ یہ حضرت امام مہدیؑ کے لشکر کے ہراول دستہ میں ہے۔ یہ میدانِ جہاد میں ہے۔ یہ حضور ﷺ کی فوج میں بھرتی ہو چکا ہے۔ یہ پاسبانِ حرم ہے---سو شدّت چھوڑ، نرمی اختیار کر۔ میرا مشن مسلمانانِ پاکستان تو کجا اسلامیانِ عالم کو ایک پرچم تلے جمع کرنا ہے---جمع کر، منتشر نہ کر، اتحاد رحمت ہے، انتشار زحمت ہے۔ میرے بھائی فقیر کی بات مان لے۔ اتحاد کی رسّی تھام لے۔ مجھ ناچیز کو تلقین وارشاد کا حکم دے کے حضور ﷺ نے خصوصی تاکید فرمائی تھی:

"بیٹا! اپنے آپ کو فروعی اختلافات میں نہ الجھانا۔ اتحاد کی دعوت دیتے رہنا---مجھے اُمت کا ہر وہ شخص پسند ہے جو اتحاد کا داعی ہو---تم باطنی طور پر اپنی ڈیوٹی جانتے ہو۔ اب ظاہری طور پر ذکر کو پھیلاتے رہو۔"

دیکھ! یہ زورِ قلم کا کوئی مظاہرہ نہیں ہے---میں نہیں، کوئی بول رہا ہے---میں نہیں، کوئی لکھ رہا ہے---کون بول رہا ہے---کون لکھ رہا ہے۔ اس تجسّس میں نہ پڑ۔ اس کو غور سے پڑھ۔ ایک کان سے سن کر دوسرے سے مت اُڑا۔ اس کو نظر انداز نہ کر---یہ کسی کا سوزِ دروں ہے۔ تو بھی اس سے تب وتابِ جاودانہ حاصل کر لے---سن! ہر کوئی اتنا صاحبِ علم نہیں کہ قرآن وحدیث کے بحرِ ذخّار کا تیراک ہو---اس باب میں ساری اُمت نے چار اشخاص پر اعتبار کیا---انہیں اپنا امام تسلیم کیا۔ وہ صاحبِ علم تھے، صاحبِ تقویٰ تھے، قابلِ اعتماد تھے۔ تو بھی ان پر اعتماد کر لے۔ وہ سب برگزیدہ ہیں۔ دربارِ رسالتؐ میں ان کا ایک مقام ہے، وقار ہے، اعتبار ہے۔ تو اگر اپنے علم کو ان کے علم پر فوقیت دیتا ہے اور بذاتِ خود قرآن وحدیث سے اکتسابِ فیض کا مدّعی ہے تو بھی ان کو نشانۂ طعن نہ

بنا۔ تو اجتہاد کا خواہاں ہے۔ اور میری دعا ہے کہ اُمت چار میں سے بھی کسی ایک فقہ پر متفق ہو جائے ---ملّت کی شیرازہ بندی کر۔ پارہ پارہ نہ کر۔

اے میری ماں، میری بہن اور میری بیٹی! مجھے تجھ سے بھی کچھ عرض کرنا ہے۔ اللہ حق ہے، اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حق ہے، اس کا دین حق ہے، اس نے ہر کسی کا حق متعین فرما دیا۔ وہ تیرے حق کو کیسے نظر انداز کر سکتا تھا --- اس نے تجھے تیرا جائز حق دیا --- تجھے تاریخ انسانی میں وہ مقام، وہ وقار، وہ شرف بخشا جس کی تُو مستحق تھی --- اب تو اس حق سے تجاوز نہ کر۔ آزادیٔ نسواں کے نام پر سڑک پر جلوس مت نکال۔ اپنے مطالبات پر غور کر۔ جو کوئی تجھے بطور حربہ استعمال کر رہا ہے، اس کی بدنیتی اور خبثِ باطن تجھ پر ظاہر ہو جائے گا --- تو چاند سے بیٹے اور ثریا سی بیٹی کی ماں ہے، نگران ہے۔ ان کی تربیت کر، انہیں اللہ کے سپاہی بنا، شیطانی طاقتوں کے مقابلہ کے لیے محاذِ جنگ پر جانے کے لیے تیار کر۔ یہ دنیا فانی ہے۔ زندگی آنی ہے۔ دو روزہ عرصۂ حیات میں تیری یہی سب سے بڑی نیکی ہے اور آخرت کے لیے بھی یہی سب سے بڑی کمائی ہے کہ تو اپنی اولاد کو اللہ کا سپاہی بنا دے۔

ع بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر

میرے جوان! تیری جوانی کی خیر، اٹھ میرا دست و بازو بن جا، دنیا کما، خوب کما، اچھا پہن، اچھا کھا۔ لیکن حلال و حرام میں تمیز کر۔ صبح جاگنے سے رات سونے تک تیرا ہر کام عبادت ہے۔ صرف من مانی نہ کر۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنت کے سانچے میں ڈھل جا۔ پھر:

ع یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

سن! فقیرانِ بوریا نشین کی خانقاہوں میں جلنے والے چراغوں کی ضو ہی سے ظلمت سیماب پا ہوتی رہی ہے۔ یہیں سے سکون لازوال کی دولت بٹتی رہی ہے۔ ان خانقاہوں سے اٹھنے والی اللہ اللہ کی صدا کی ضربوں سے شیطانی قلعے مسمار ہوتے رہے ہیں --- آج یہ خانقاہی نظام بظاہر کتنا مضمحل ہو چکا ہو۔ اس کی روحانی طاقت کمزور ہو چکی ہو --- مگر باطل کے

مقابلہ کے لیے جس یقینِ محکم اور ایمانِ کامل کی قوت درکار ہے وہ آج بھی یہیں سے حاصل ہوگی --- اللہ والے مر کر بھی نہیں مرتے۔ ان کے جسم دنیا سے اوجھل ہو جاتے ہیں مگر روح پہلے سے کہیں زیادہ توانا ہو کر سرگرمِ عمل ہو جاتی ہے۔ وہ مامور من اللہ ہوتے ہیں۔ ان کی بھی کچھ ڈیوٹی ہوتی ہے۔ ان کی فیض رسانی کی قوت پہلے سے فزوں تر ہو جاتی ہے۔

میرے دور کے اے سجادہ نشین! اے عالمِ دین! اے میرے بھائی! تجھے درخواست ہے کہ تو اپنے آباؤ اجداد کی روایت اپنا لے --- اپنی خانقاہوں، مدرسوں اور مسجدوں میں مجالسِ ذکر آراستہ کر لے۔ اسمِ ذات اللہ کے ذکر کی تانوں سے فضاؤں کو آباد کر لے۔ انشاء اللہ تو دیکھے گا کہ شیطانی فوج میں کیسی بھگدڑ مچتی ہے۔ ابلیسی لشکر کیسے راہِ فرار اختیار کرتا ہے --- اللہ کا رنگ کیسے چڑھتا ہے۔ معاشرہ کیسے اصلاح پذیر ہوتا ہے اور نفاذِ اسلام کی راہ میں روڑا اٹکانے والے کیسے منہ کی کھاتے ہیں۔ جو سرور، جو کیف، جو لذت، جو سواد، جو سکون، جو حسن اور جو خیر ذکرِ الٰہی میں ہے وہ نفسانی مشاغل میں کہاں --- بس تو اپنے مریدین و شاگردان کو اس لذّت سے آشنا کر دے۔ یہ نسخہ خود استعمال کر اور دوسروں کو کرا۔ چراغ سے چراغ جلاتا چلا جا --- چند روزہ حیاتِ مستعار کو غنیمت جان۔ کیا خبر کب سانس کی ڈوری ٹوٹ جائے --- چراغِ حیات بجھ جائے۔ تیرے دل میں حُبِ الٰہی اور عشقِ رسول ﷺ کی جگنے والی جوت کی خیر۔ کسی سے بھی نفرت نہ کر۔ یہی محبت اللہ کے بندوں اور حضور ﷺ کے ہر اُمّتی کے لیے وقف کر دے --- نفرت کو مٹا، محبت کو بڑھا اور میرا ہم عناں --- ہم زباں بن جا۔

ع میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

حضرت عون قطب شاہؒ

شیخ الوقت، پیرانِ پیر حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کے مرید و خلیفہ، مردِ کامل اور مردِ مجاہد اور میرے جدِ امجد حضرت محمد عون قطب شاہؒ کہ جو اپنے دور میں قطبِ ارشاد کے روحانی منصب پر فائز تھے، کے تذکرۂ عالیہ کے بغیر کتاب ادھوری لگتی ہے۔

حضرت علی المرتضیٰؓ کے نو حرم شریف تھے۔ جن سے اٹھارہ فرزند تولد ہوئے اور ان میں سے بھی پانچ بیٹوں --- حضرت امام حسنؓ، حضرت امام حسینؓ، حضرت امام محمد بن حنفیہؒ، حضرت عمرؓ اور حضرت عباسؓ سے اولاد جاری ہوئی --- ان میں سے حضرت امام محمد بن حنفیہؒ کی بارہویں پشت سے حضرت محمد عون قطب شاہؒ ہوئے --- یہ بزرگ بغداد شریف میں سکونت پذیر تھے اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے ہم عصر، ہم عمر، مرید اور خلیفہ تھے --- آپؒ کو خلافت سے سرفراز کر کے شمالی ہند میں تبلیغ اسلام کے خصوصی مشن پر مامور کیا گیا۔ آپؒ نے جس عزم و ہمت اور جاں سپاری سے فیضِ سلسلۂ قادریہ کو پھیلایا، اس کی مثال نہیں ملتی۔ آپؒ کا سنِ پیدائش 465 ہجری اور سنِ وصال 557 ہجری ہے، جبکہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا سنِ پیدائش 470 ہجری اور سنِ وفات 561 ہجری ہے۔ برصغیر میں تبلیغِ اسلام کرنے والے بزرگوں میں آپؒ کو یہ امتیاز و افتخار حاصل ہے کہ آپؒ صاحبِ سیف بھی تھے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے مسندِ ارشاد پر بیٹھتے ہی اپنے جن پہلے چند

خلفاء کو تبلیغِ اسلام کے لیے تیار کیا ان میں آپؒ کو خصوصیت حاصل ہے کہ آپؒ نے زبانی وعظ و تبلیغ کے ساتھ ساتھ کفار سے جہاد بالسیف سے بھی کام لیا، اور کوہستانِ نمک کے علاقہ کالا باغ سے وادیٔ سون سکیسر اور ونہار تک کا وسیع علاقہ جس میں تلہ (طلحہ) گنگ اور چکوال کا علاقہ شامل ہے جہاد کر کے ہندو راجاؤں سے آزاد کرایا اور اپنے قبیلے کو مستقلاً یہاں آباد کر کے پائیدار بنیاد پر تبلیغِ اسلام کے مشن کو جاری کیا۔ آپؒ نے اس علاقہ میں حفظِ قرآن کا خصوصی اہتمام کیا اور جگہ جگہ درس قرآن قائم کیے---اس نسبت سے یہ علاقہ آج بھی اعوان قاری کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے--- علاقہ تلہ (طلحہ) گنگ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی---اس لیے اکبری عہد تک اسے ''اعوان محل'' کے نام سے موسوم کیا جاتا رہا--- لاکھوں انسانوں نے آپؒ کی دعوت پر اسلام قبول کیا--- آپؒ کو حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ اور حضرت معین الدین چشتیؒ پر زمانی اعتبار سے سبقت حاصل ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور آپؒ آپس میں ہم زلف تھے۔ آپؒ کی اس بیوی سے آپؒ کے تین صاحبزادے حضرت عبداللہ عرف گولڑہ اور حضرت محمد عرف کندلان اور معزز الدین بھی آپؒ کے ساتھ شریک جہاد رہے۔ یہاں پر ایک ہندو راجہ نے آپؒ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور ایک بیٹی آپؒ کے عقد میں دی جس سے محمود، مزمل علی، امیر، جہاں شاہ، بختیار اور زمان علی چھ بیٹے تھے۔ ان تمام بیٹوں کی اولاد سے قبیلہ اعوان قطب شاہی وجود میں آیا اور اس علاقہ سے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں پھیلتا رہا۔ آپؒ نے تقریباً چالیس سال تک اس علاقہ میں رشد و ہدایت کی مشعل روشن رکھی۔ آپؒ نے متعدد بار اپنے شیخ کی خدمت میں حاضری دی۔ برکات، فیض اور ہدایات حاصل کیں۔ مگر آخری عمر میں اپنا مشن اپنے بیٹوں کو سونپ کر مستقلاً بغداد شریف میں مقیم ہو گئے جہاں چند سال بعد وصال

فرمایا۔ دونوں خاندانوں میں تعلقات کو فروغ مزید اس صورت میں ملا کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے صاحبزادے حضرت عبدالرزاقؒ نے اپنی ایک بیٹی کا عقد حضرت محمد عون قطب شاہؒ کے بیٹے حضرت محمد کندلان کے بیٹے محمد عرف کھوٹ سے کیا۔ انہی سے اعوان قبیلہ کی مشہور شاخ کھوٹ قریش نکلی۔ آپ نے تلہ (طلحہ) گنگ سے ایک میل مشرق میں ایک ٹیلے پر اپنا گھر بنایا جو آج بھی "تلہ کھوٹ" کے نام سے موسوم ہے۔ صاحبِ موصوف کی پشت سے میرے جدِامجد حضرت شیخ حاجی احمد ہیلانیؒ ہیں جن سے مجھے اویسیہ طریق پر باطنی میراث نصیب ہوئی۔

حضرت محمد عون قطب شاہؒ کا یہ شمشیر زن قبیلہ خاندان غزنویہ، خاندان غلاماں اور خاندانِ تغلق تک حق و باطل کے معرکوں میں شریک ہو کر دادِ شجاعت دیتا رہا ہے۔ چنانچہ راجہ پرتھوی راج کا درباری شاعر چندر بردا اپنے راجہ کی شکست کا حال اپنے اشعار میں یوں بیان کرتا ہے:

"راجہ پر غنیم شہاب الدین چڑھ آیا۔ اور مجاہد نامی معزالدین، محمود، گولڑہ، کندلان اور بختیار وغیرہ آ گئے اور تھانسیر میں تلونڈی پر لڑائی بھاری ہوئی اور راج مسلمانوں کا ہو گیا اور پھر مسلمانوں نے مسلمانانِ لاہور سے راج لے لیا اور آدھے مجاہد مذکور اسی سال الٹے پھر گئے اور آدھے یہاں قلعہ زن ہو گئے اور اسی اثناء میں کئی فقراء اسلام بھی آ گئے اور دین قدیم سے اکثر لوگ پھر گئے۔"

تاریخ مخزن ہند، مصنفہ "منشی ہنومان پرشاد" میں صفحہ 123 پر درج ہے:

"گویند کہ میر قطب نام شخصے از بغداد بہند آمد۔ سہ زنان ہند در عقد آوردہ بودند ایشاں نسل بسیار شد۔"

حضرت علیؓ کی اولاد عموماً سادات علوی کے نام سے معروف رہی ہے۔ بعد میں سادات کا لقب صرف حضرت امام حسنؓ و امام حسینؓ کی اولاد کے لیے مخصوص ہوا --- اور دوسری اولاد اپنے آپ کو سیّد کے علاوہ شیخ، میر، ہاشمی، قریشی، اعوان، ملک اور کھوٹ کے القاب سے مشہور کرتی رہی ہے۔ قبیلہ اعوان کی ذیلی شاخ کھوٹ قریش کے ایک بزرگ نواب علی 1359ء میں فیروز تغلق کے عہد میں دہلی گئے۔ راستہ میں ایک کافر راجہ سائیس پالی والی سیالکوٹ کو شکست دی۔ بادشاہ نے علاقہ دھنی کی حکومت انہیں سونپی۔ آپ نے چکوال شہر سے تقریباً آٹھ میل جنوب کی طرف موجود موضع ''وریامال'' کے نزدیک رہائش اختیار کی اور مالیہ اکٹھا کر کے شاہان دہلی کو بھیجتے رہے۔ آپ کی شان میں شجرہ خوانوں کا یہ کبت مشہور ہے:

ے کھوٹ چڑھیا دہلیوں ست سار نقارے
چار ہزار بھرا تے کمیں سارے

--- نیز اس علاقہ میں کھوٹ قبیلہ کی اوّلیت پر شجرہ خوانوں کا یہ کبت دال ہے:

ع کھوٹ پوترے ابوطالب دے اوّل اوّل آئے

حضرت محمد عون قطب شاہؒ نے تصوف وطریقت کا جو چراغ یہاں روشن کیا تھا ان کی اولاد نے اسے زمانے کے طوفانوں میں بجھنے نہ دیا۔ اس سلسلہ میں حضرت سلطان باہوؒ، حضرت حافظ رحمت اللہؒ، حضرت سلطان ابراہیمؒ ساڑی والا، حافظ محمد عظیم اویسیؒ، حافظ محمد جمال ملتانیؒ، حضرت شمس الدین سیالویؒ، خواجہ محمد عبدالرحمٰنؒ ہری پور، حضرت حافظ فتح نورؒ، حضرت حاجی احمد ہیلانیؒ اور شیخ العالم حضرت مولانا اللہ یار خانؒ کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں۔

فقیر پر حضرت امام حسینؓ اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ بہت زیادہ شفقت فرماتے تھے۔ جنّات کے سلسلہ میں جب بھی کوئی مہم سر ہوتی یا روحانی طور پر کوئی کارنامہ مجھ سے سرزد ہوتا تو باقی مشائخ کی نسبت ان کی مسرّت اور داد و تحسین کے اظہار کا انداز جداگانہ ہوتا ---ابتدا میں ایک ایسے ہی موقع پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے مجھے سینہ سے لگاتے اور پیشانی چومتے ہوئے فرمایا ---"تمہاری رگوں میں میرا خون دوڑ رہا ہے۔ تمہاری کامیابی میری کامیابی ہے۔" میں نے حضرت بابا جی شیخ حاجی احمد ہیلانیؒ سے پوچھا تو انہوں نے حضرت عبدالرزاقؒ سے خونی رشتہ کا پتہ دیا جس کی ظاہری طور پر مزید تائید پروفیسر انور بیگ اعوان کی کتاب "دھنی ادب و ثقافت" میں قبیلہ اعوان کی تحقیق کرتے ہوئے بیان سے ہوتی ہے---"کہ لیکن پہلی بیوی جو کہ حضرت غوث الاعظمؒ کی بیوی کی ہمشیرہ تھیں، کے بطن سے آپ کے دو بیٹے عبداللہ گولڑہ 600-481 ہجری اور محمد کندلان 616-485 ہجری تھے۔" چنانچہ مزید یقین کے لیے اس کی تصدیق کشفاً حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور حضرت عون قطب شاہؒ نے فرمائی۔

شجرۂ نسب

والد صاحب کی طرف سے میرا شجرۂ نسب خاندان بھٹی راجپوت ہے۔ غلام فرید بھٹی سیالکوٹ سے بھکر تک دریائے جہلم وراوی کے درمیانی علاقے کے خودمختار والی تھے۔ ان کے پندرہ بیٹوں میں سے عبداللہ خان بھٹی (المعروف دلہ بھٹی) نہایت پاک طینت، منصف مزاج، دلیر اور زیرک نوجوان تھا جس نے اکبر بادشاہ کو اپنے علاقہ سے راہداری کی اجازت تو دی تھی مگر مالیہ وغیرہ دینے اور مغلوں کی اطاعت و بالادستی قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس سلسلہ میں مغلوں کے ساتھ اس کی معرکہ آرائی بھی ہوتی رہی۔ نیز اکبر کی لادینی کی تحریک کا اثر زائل کرنے کے لیے حضرت مجدد الف ثانیؒ کو بھی آپ کی بھرپور تائید و اعانت حاصل تھی۔ آخر کار اکبر نے صلح کی پیش کش کرتے ہوئے انہیں لاہور کے مقام پر بالمشافہ ملاقات کی دعوت دی۔ جہاں سازش کے تحت آپ کو گرفتار کر کے پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ چنانچہ بھٹی شاہی خاندان کے سرکردہ افراد پنجاب کے مختلف علاقوں میں منتقل ہو گئے۔ عبداللہ خان بھٹی کی بہادری پر اہلِ پنجاب نے اس کی واریں (رزمیہ نظمیں) بنائیں اور لوک گیتوں میں اس کی جواں مردی کے گیت گائے جانے لگے۔ اس عظیم ہیرو کے بھائی ہدایت خان کے بیٹے حضرت شرف دین پنڈی بھٹیاں سے پنوال (متصل چکوال) سکونت پذیر ہوئے اور انہی حضرت کی اولاد ہونے کا ہمیں شرف حاصل ہے۔ لوک ورثہ اسلام آباد کی مرتب کردہ کتاب ''لوک پنجاب'' میں مرتّب مظہرالاسلام نے پنڈی بھٹیاں کے شجرہ خوان

جلو مراثی کی زبانی دلہے کی واریں سے یہ بند درج کیا ہے۔ دلھے کا بھائی بلول (بلاول) اکبر کو مخاطب کر کے کہتا ہے:

ڈُلہہ سلار تے بھائی میں آپ بلول آں
تے جد کی چک دلائی پڑ نہیں ہاریا
گھر اساڈے بادشاہی مُڈھ قدیم دی
کر دلّے نال صفائی جے بہنا ای تخت تے

حضرت شرف دینؒ نے رزق کمانے کے لیے کاشت کاری اختیار کی اور علمی و دینی فضیلت کے باعث اشاعت و تبلیغ دین کا فریضہ سنبھالا اور آج بھی یہ خاندان قضاۃ و امامت کا فریضہ انجام دے رہا ہے--- میری روحانی تحقیق کے مطابق یہ قبیلہ عربی النسل ہے۔ اس کے بارے میں حضرت سلیمانؑ نے مجھے روحانی طور پر فرمایا:

"میری پانچویں پشت میں حضرت واصحؑ منصبِ نبوّت پر فائز کر کے ارضِ پنجاب میں بھیجے گئے--- تم ان ہی کی اولاد سے ہو۔ جنّات پر تمہیں یہ زبردست تصرّف مجھ سے نسبت کی وجہ سے حاصل ہوا ہے۔"

الحمد للہ--- حضرت واصحؑ سے رابطہ قائم کرنے اور روحانی نسبت بھی حاصل کرنے کا شرف حاصل ہوا--- یوں دیکھا جائے تو میرے شجرے کا ایک سرا حضرت اسماعیلؑ اور دوسرا حضرت اسحٰقؑ سے ملتا ہوا حضرت ابراہیم خلیل اللہ پر منتج ہوتا ہے۔


حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
حضرت علی المرتضیٰؓ
حضرت محمد بن حنفیہؓ
حضرت امام حسینؓ
حضرت امام حسنؓ
حضرت زین العابدینؒ
حضرت حسن مثنیٰؒ
حضرت ابو عبداللہ صومعیؒ
حضرت ابی عبداللہؒ
(12 پشت)
حضرت محمد عون قطب شاہؒ
ام الخیر فاطمہؒ (15 پشت)
نکاح
حضرت ابو صالح موسیٰؒ
(12 پشت)
حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ
غلام فریدؒ خان بھٹی
حضرت محمد کندلانؒ
خالہ زاد بھائی
حضرت شیخ عبدالرزاقؒ
(15 بھائی)
عبداللہؒ عرف دُلّہ بھٹی
ہدایت خانؒ
شرف دینؒ
لعل دینؒ
حضرت محمدؒ عرف کہوٹ
نکاح
بیٹی
خیر دینؒ
محمد دینؒ
(18 پشت) قاضی حافظ فتح نورؒ
محمد فاضلؒ (2 بھائی)
حافظ برہان الدینؒ
شیخ محمدؒ
محمد اعظمؒ
حضرت شیخ حاجی احمد ہیلانیؒ
حضرت حافظ قاضی خان محمدؒ (4 بھائی)
قاضی کرم دینؒ (4 بھائی)
قاضی عالم دینؒ
امام بی بیؒ
نکاح
عبدالحقؒ
شیخ احمدؒ
قاضی بہاؤالدینؒ (4 بھائی)
لعل بی بیؒ
نکاح
عبدالرحمٰنؒ
آمنہ بی بیؒ
نکاح
قاضی حسن دینؒ
باغ حسین کمال

سلسلہ اویسیہ (کمالیہ)

یوں تو اویسی طریقہ پر بہت سے مشائخ نے بالعموم مجھے اپنی نسبت و سند سے نوازا مگر دربارِ اقدس ؐ سے مجھے بالخصوص حسبِ ذیل سلسلہ عطا فرمایا گیا:

۱۔ الٰہی! بصدقہ سرورِ کونین حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

۲۔ الٰہی! بصدقہ سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ

۳۔ الٰہی! بصدقہ سیدنا حضرت عمر فاروقؓ

۴۔ الٰہی! بصدقہ سیدنا حضرت عثمان غنیؓ

۵۔ الٰہی! بصدقہ سیدنا حضرت علی المرتضیٰؓ

۶۔ الٰہی! بصدقہ سیدنا حضرت امام حسنؓ

۷۔ الٰہی! بصدقہ سیدنا حضرت امام حسینؓ

۸۔ الٰہی! بصدقہ حضرت امام اویس قرنیؒ

۹۔ الٰہی! بصدقہ حضرت امام حسن بصریؒ

۱۰۔ الٰہی! بصدقہ حضرت شیخ جنید بغدادیؒ

۱۱۔ الٰہی! بصدقہ حضرت شیخ ابواسحٰق شامی چشتیؒ

۱۲۔ الٰہی! بصدقہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

۱۳۔ الٰہی! بصدقہ حضرت شیخ ابونجیب سہروردیؒ

۱۴۔ الٰہی! بصدقہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ

۱۵۔ الٰہی! بصدقہ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰؒ

۱۶۔ الٰہی! بصدقہ حضرت شیخ احمد کبیر رفاعیؒ

۱۷۔ الٰہی! بصدقہ حضرت شیخ ابوالحسن شاذلیؒ

۱۸۔ الٰہی! بصدقہ حضرت شیخ جلال الدین رومیؒ

۱۹۔ الٰہی! بصدقہ حضرت شیخ بہاؤ الدین نقشبندؒ

۲۰۔ الٰہی! بصدقہ حضرت شیخ حافظ خان محمدؒ

۲۱۔ الٰہی! بصدقہ حضرت شیخ حاجی احمد ہیلانیؒ

۲۲۔ الٰہی! بصدقہ حضرت شیخ اللہ یار خانؒ

الٰہی! بصدقہ ختم خواجگان و بفیض حضرت باغ حسین کمالؔ اپنا فضل و رحمت شامل حال فرما۔

(کسی پریشانی و مصیبت میں سحری کے ذکر کے بعد سلسلہ پڑھ کر یکسوئی قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ مراد پوری ہو گی۔)

حرفِ تشکّر

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۔ اللہ تعالیٰ کے بے پایاں فضل و رحمت اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بے کراں کرم سے "حالِ سفر" آج مؤرخہ 21/رجب 1407 ہجری بمطابق 23/ مارچ 1987ء بروز اتوار بوقت 4 بجکر 33 منٹ پر سحر دم پایۂ تکمیل کو پہنچی ۔۔۔ اور از اوّل تا آخر روحانی طور پر حضور ﷺ کی نگاہِ مبارک سے گزرنے اور منظوری پانے کے بے مثال ولازوال شرف سے مشرف ہوئی۔

صلائے عام

"دارالکمال"۔۔۔ کمال آباد، پنڈی روڈ، چکوال میں ہر اتوار کو دن 1 تا 2 بجے محفلِ ذکرِ خفی قلبی منعقد ہوتی ہے۔ سب کو شمولیت کے لیے دعوتِ عام ہے۔

ذکرِ خفی قلبی کا طریقہ

قبلہ رو ہو کر اندھیرے یا کم روشنی میں مکمل یکسوئی سے بیٹھ جائیں۔آنکھیں بند کر لیں، نفسانی خواہشات کو دل سے نکالنے اور حواس کو معطل کرنے کی کوشش کریں۔نیّت یہ ہو کہ دل سے گناہوں کا زنگ اتر جائے،غفلت دور ہو اور اس میں اللہ کی محبت پیدا ہو جائے---اور

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه ○

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّیْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّ اَتُوْبُ اِلَیْهِ ○

پڑھ کر تصوّر کریں کہ دل ایک شیشے کی مانند ہے جس پر لفظ اللّٰہ سرخ یا سنہری رنگ میں لکھا ہے۔اسے خیال کے ساتھ پڑھتے ہوئے ال اٹھائیں اور لہ کی ضرب واپس دل پر لگائیں۔اس طرح دل ہی دل میں اللہ اللہ کرتے رہیں۔اس ذکر کو (کم وبیش) دس منٹ کے لیے نمازِ فجر اور مغرب کے بعد معمول بنالیں۔

تعارف

- نام .... باغ حسین
- تخلص .... کمالؔ
- ولدیت .... قاضی حسن دین
- قوم .... نسبی بھٹی راجپوت

(حسبی طور پر کہوٹ قریش (اعوان))

- مقامِ پیدائش .... پنوال (نواح چکوال)
- تاریخِ پیدائش .... ۱۔ بمطابق رجسٹر سکول، 24/جنوری 1937ء

۲۔ بمطابق رجسٹر پیدائش، 31/مارچ 1937ء

۳۔ بمطابق حقیقی 22/مارچ 1937ء

- تعلیم .... میٹرک گورنمنٹ ہائی سکول، چکوال 1955ء

انٹرمیڈیٹ گورنمنٹ کالج، چکوال 1957ء

بی اے (پرائیویٹ) پنجاب یونیورسٹی 1963ء

ایم اے (اردو) پنجاب یونیورسٹی 1966ء

بی ایڈ پنجاب یونیورسٹی 1967ء

ایم اے (پنجابی) پنجاب یونیورسٹی 1974ء

- صحافت .... نامہ نگار ''امروز، تعمیر'' 1960ء تا 1970ء
- ملازمت .... ۱۔ کلرک میونسپلٹی چکوال 1959ء تا 1963ء

۲۔ انگلش ٹیچر،

اسلامیہ ہائی سکول چکوال 1963ء تا 1967ء

۳۔ ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ مڈل سکول، دُلہہ، ڈھڈیال	1967ء تا 1975ء
۴۔ گورنمنٹ کالج، جی ٹی روڈ، جہلم	1975ء تا مارچ 1997ء

✸ **تصانیف و تالیفات** ....

۱۔ کلام شاہ مراد (شریک مرتب)	1966ء
۲۔ لوک گاون	1980ء
۳۔ حالِ سفر (تصوّف وسلوک)	1987ء تا 2021ء
۴۔ حُسنِ طلب (اردو شاعری)	1990ء تا 2002ء
۵۔ سِکدیاں رُوحاں (پنجابی شاعری)	1990ء تا 2000ء
۶۔ متاعِ کمال (نثری تحریریں)	2013ء
۷۔ زرِباغ (کلیاتِ شاعری)	2011ء

✸ **روحانی سفر کا آغاز** ....

حضرت مولانا اللہ یار خانؒ کے حلقۂ ذکر میں شمولیت 29ر جولائی 1975ء

✸ **سلسلہ اویسیہ کمالیہ کا آغاز** .... 8ر اپریل 1984ء

✸ **تاریخِ وصال** .... 31ر دسمبر 2000ء

✸ **تدفین** .... یکم جنوری 2001ء

✸ **مقامِ تدفین** .... پنوال، چکوال

"حالِ سفر" کے متعلق چند آراء

احمد ندیم قاسمی

عمر کے آخری چند برسوں میں انہوں نے اپنے علم وفن کو دینیات کے سپرد کردیا تھا اور تصوف وسلوک کی ایسی منزلیں طے کی تھیں کہ ان کے متصوفانہ خیالات وانکشافات کی مثالیں صرف قرونِ اولیٰ ہی میں دستیاب ہوسکتی ہیں، ورنہ آج کل کم ہی صوفی باغ حسین کمالؒ کے درجات تک پہنچ پاتے ہیں۔

حکیم محمد سعید (مرحوم) (ہمدرد)

حالِ سفر (از فرش تا عرش) کا نسخہ آپ نے مجھے عطا فرمایا تھا۔ میں نے اسے دلچسپی کے ساتھ دیکھا ہے۔ بالکل نئے انداز کا سفرنامہ ہے۔ آپ اطمینان رکھیے کوئی فتویٰ نہیں داغے گا کہ یہ راہِ تصوف ہے جو آپ نے اختیار کی ہے۔ ممنون ہوں کہ آپ نے مجھے یہ سفرنامہ عطا فرمایا۔ میں بھی اپنا ایک سفرنامہ (داستانِ حج) بھجوا رہا ہوں، قبول فرمایئے گا۔

پروفیسر پریشان خٹک۔ وائس چانسلر، الخیر یونیورسٹی، اسلام آباد۔

حالِ سفر (از فرش تا عرش) پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

ع یہ مرتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

تہِ دل سے ممنون ہوں کہ آپ نے مجھے اس نادر تحفہ کا مستحق سمجھا۔ اللہ تعالیٰ مجھے توفیق عطا فرمائے کہ ان مقامات سے آشنا ہوسکوں۔

ے این سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

غلام جیلانی اصغر۔ پرنسپل گورنمنٹ کالج، سرگودھا

میں آپ کے شعری کمال سے تو واقف تھا لیکن آپ کی شخصیت کا یہ گوشہ میرے لیے مسرّت اور حیرت کا ایک دل آویز تجربہ ہے۔ یہ سب اللہ کا کرم ہے کہ اس نے آپ کو روشنی بخشی۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہ ان مقامات سے بقائمی ہوش وحواس گزرنا از خود ایک بڑا معرکہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے انعامات میں اضافہ فرمائے۔

سلطان محمود آشفتہ

''حالِ سفر'' کے مطالعہ سے ایک بات سامنے آتی ہے کہ دورِ حاضر میں باغ حسین کمالؔ جن روحانی عہدوں پر فائز ہیں وہ شاید کسی زندہ انسان کو حاصل نہیں ہیں۔ اس بات پر بہت ساغوغا بھی مچ سکتا ہے اور باغؔ پر خودستائی کا الزام بھی لگ سکتا ہے۔ مگر باغؔ کے استدلال نے بولنے کی سکت ہی نہیں چھوڑی۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد اجمل نیازی۔ گورنمنٹ کالج، لاہور

یہ کتاب تاریخِ تصوّف میں ایک خاص حوالے سے یاد رکھی جائے گی۔

محمد صدیق علوی (پرنسپل)، اسلام آباد

شروع سے آخر تک کتاب ایک نشست میں پڑھ ڈالی۔ کتاب کیا تھی ایک مضراب تھا جس نے میری رگِ جاں کو مرتعش کر دیا۔ جوں جوں اوراق گردانی کرتا جاتا میرے ہونٹ بے ساختہ ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہ'' کے الفاظ کو بوسہ دیتے۔ بعض مقامات پر آنکھیں نمناک ہو گئیں۔ ''حالِ سفر'' کے مطالعہ سے جو سرور حاصل ہوا اسے الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔

حَالِ سَفر

(سالِ تَصنیف)

کتابِ "حالِ سفر"، عِزّت و وقارِ اَساس
ہے سَالکین کی خاطِر یہ اِفتخارِ اَساس
نِدائے ہاتفِ غیبی سے یہ ملی تارِیخ
"مَتاعِ عِشق و مُحبّت، ہے رَاز دارِ اَساس"

۱۹۸۷ء

"حالِ سفر"--- رُوحانی سفرناموں کی تاریخ اور مُتصوّفانہ ادبی روایت میں اپنی مُنفرد فضا و کیفیات، انکشافاتِ قلبی اور اعتبارِ ذات کی روشنی میں ایک سنگِ میل کی حیثیت اور جدید کلاسیک کا درجہ رکھتی ہے۔ اعتبارِ ذات اور عرفانِ ذات کی بنیادی غایت تکمیلِ ذات ہے اور "حالِ سفر" اس بابرکت مُسافت میں صرف شوقِ سُلوک ہی نہیں دلاتی، حقِ رہنمائی بھی ادا کرتی ہے۔ اپنی ذات اور اپنی بات پر اِیقان واِیمان اس کتاب کا ایک ایسا وصف ہے جو صرف اَدبِ عالیہ میں ہی نظر آتا ہے۔ قرآن و حدیث کے روشن فیصلوں اور معتبر تاریخی حوالوں سے مزیّن یہ ارمغانِ عشق ہر طبقۂ فکر کے لیے ایک تحفۂ جانفزا ہے۔ یہ بھیدوں بھری نفسی و رُوحی منازل کا سادہ، بے ساختہ اور پُرتاثیر بیان ہے جس کی سطر سطر اخلاص کی خُوشبو سے مُعطّر اور سچائی کے نُور سے آراستہ ہے۔ جُملوں کی مصورانہ ساخت اور طلسماتی بُنت مُرصّع کاری کا نادر نمونہ ہے اور واقعاتی تسلسل کسی مالا میں پروئے موتیوں کی طرح مربُوط اور باہم پیوست دکھائی دیتا ہے جبکہ اس کا نُورانی ماحول، اَدبی محاسن اور شاعرانہ نثر ایک چیزے دِگر ہے۔ مُصنّف نے نامانُوس زبان اور کرشماتی اُسلوب سے قصداً گریز کرتے ہوئے کچھ ایسا دِل آویز رنگِ سخن اور دِل پذیر آہنگ اِختیار کیا ہے کہ ہر خواندہ و نیم خواندہ متن اور مفہوم تک بآسانی رسائی پا سکے اور لُغت کا محتاج نہ رہے۔ دورانِ مطالعہ بہتے جھرنے اور بادِ بہاری کی سی رَوانی قاری کو اِس طور ہمرکاب رکھتی ہے کہ وہ بہر گام خود کو مصنّف کا دامن تھامے شریکِ سَفر محسوس کرتا ہے۔ یہ قلمی کرامت حضرت باغ حُسین کمالؒ سے ہی مخصوص ہے اور یہ مصرع اس پر پُوری طرح صادق آتا ہے

ع کہ شعرِ خُوب بہ دِل خیزد و بہ دِل ریزد

صاحبزادہ فقیر تابش کمال